اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۶
شمارہ ۹

ذیقعدہ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
جون ۱۹۹۱ء

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین
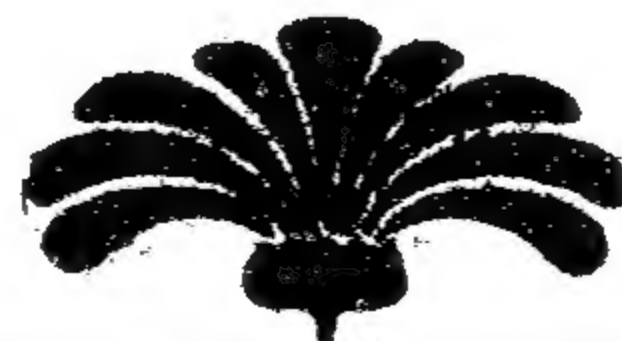
پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ آغاز

یہ خوف و ہراس کا تسلط کیوں؟

مملکتِ عزیز پاکستان جس بے یقینی، بدامنی، فساد، ڈاکہ زنی، اغوا، خونریزی، حادثات، قدرتی آفات، سیلابوں اور ہلاکت خیز طوفانوں کے جن حالات سے دوچار ہے ان پر قرآنِ کریم کی بیان کردہ اس کیفیت کا پورا پورا اطلاق ہوتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (سورۃ الروم ۴۱)

فساد پھیل رہا ہے خشکی میں اور تری میں لوگوں کی اپنی کرتوتوں سے اس غرض سے کہ اللہ پاک انہیں اپنے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے تاکہ وہ لوگ باز آجائیں۔

جن بداعمالیوں کو قرآنِ کریم نے وجہِ فساد بتایا ہے خود ان کا سبب کیا ہے؟ سورہ بقرہ کی آیات ۸ تا ۲۱ میں اسکی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی قرآنِ حکیم نے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے نفاق اور منافقت کو ان کے دلوں کا روگ قرار دیا ہے ـــــ سورہ بقرہ کی ۸ تا ۲۱ آیات کے بغور مطالعہ کے بعد کسی بھی صاحبِ عقل و شعور کے لیے پاکستانی معاشرہ کی اصل صورتحال اور حقیقی تصویر کے سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی ـــــ جب اپنے ماحول و محلہ، قوم و وطن، حکومت و رعایا کی اکثریت کا جائزہ لیا جائے تو یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایمان و یقین کے بڑے بڑے دعویدار اپنے روز و شب کی عملی زندگی میں اپنے ہی دعوؤں کی نفی کر رہے ہیں۔ آج بھی اتحاد کے داعیوں، عصبیت کا پرچم بلند کرنے والوں، قوم و زبان، رنگ و نسل، قبیلے، علاقے، شہر و دیہات اور برادریوں میں تقسیم کرنے والوں، یہود و ہنود کی سازشوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والوں کی طرف سے اُن کو اپنی تخریبی سرگرمیوں پر ٹوکنے والوں کو یہی جواب ملتا ہے کہ: اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ، کہ "ہم ہی اصلاح کرنے والے ہیں"! تم کون ہوتے ہو ہمیں پوچھنے والے یا ہماری صلاح و فلاح کی فکر کرنے والے؟ اور جب انہیں سچے اسلام، کھری مسلمانی، قول و عمل میں مطابقت اور ترکِ منافقت کی دعوت دی جاتی ہے تو آج بھی وہ پلٹ کر اپنے زعمِ دانشوری میں یہی کہتے ہیں کہ: "اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ کیا ہم بھی (دورِ اول کے) بیوقوف مسلمانوں کی طرح ایمان لے آئیں"؟

آج بھی ہماری نگاہیں دن رات یہ منظر دیکھ رہی ہیں کہ جب بھی الیکشن ہوتا ہے، اپنے سے کسی بڑی طاقت سے مقابلہ ہوتا ہے، دینی قوتوں سے اتحاد کا معاملہ آتا ہے، اہلِ اسلام سے ووٹ کی ضرورت ہوتی ہے یا استحکامِ اقتدار کی

بات ہوتی ہے یا کسی تحریک اور حصولِ اقتدار کا ایجی ٹیشن منظور ہوتا ہے تو یہ بھی اہلِ ایمان کے درمیان آجاتے ہیں اور زبان سے اللہ ورسولؐ کا نام لیکر، مساجد میں مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھ کر، اسلامی منشور کا اعلان کر کے، نفاذِ شریعت کے وعدے کر کے، ہاتھوں میں تسبیح تھام کر، سروں پر ٹوپیاں یا دوپٹے اوڑھ کر اور بعض اوقات زیارتوں اور مزاروں پر چادر پوشی اور عمرہ و حج کا اہتمام کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تو پکے مسلمان ہیں۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ـــــ اور جب علیحدگی میں اپنے سرپرست شیطانوں (بُش، گوربا چوف، او کلے، رفسنجانی، نجیب، سولارز اور رُشدی وغیرہ) سے ملتے ہیں تو انہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں (سادہ لوح اہلِ ایمان) سے محض مذاق کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ؕ تم ہماری "مذہب پرستی" کے مظاہرے سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا، یہ تو ہماری مقامی "سیاسی" ضرورت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں کو کتاب و سُنّت کی صورت میں ہدایت کی نعمت عطا کی گئی ہے لیکن یہ لوگ اس کے عوض اپنی خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہو کر گمراہی خرید رہے ہیں۔ ان کی مثال واقعی ایسی ہے کہ ان کے درمیان ایک شخص نے کتابِ ہدایت کا نور پھیلا کر پورے ماحول کو منوّر کر دیا مگر ان کی سرکشی اور سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کا نورِ بصیرت سلب کر لیا ـــــ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ؕ ان کے اردگرد قرآنِ حکیم کا نور پھیلا ہوا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا سراج منیر (چراغ) روشن ہے مگر آنکھیں اندھی ہیں اور وہ کفر و الحاد، مادیت پرستی، ہوسِ اقتدار، لادین سیاست، شہرت اور جاہ و منصب، سیکولرازم، مغربی تہذیب کی اباحیت پسندی اور ہوا و ہوس کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ یہ بہرے ہیں کہ حق کی آواز ان کے کانوں میں داخل ہی نہیں ہو پاتی، یہ گونگے ہیں کہ کلمۂ حق اُن کی زبان سے ادا نہیں ہوتا، یہ اندھے ہیں کہ انہیں صراطِ مستقیم اور سواء السبیل سُجھائی نہیں دیتی۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ؕ

آج ہمارے ملکی حالات، قومی سیاست، معاشی اھداف، معاشرتی اور پوری اجتماعی زندگی میں فتنہ و فساد، بدامنی و انتشار اور بگاڑ صرف ایک لفظ "منافقت" سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ نفاق، قول و عمل کے تضاد اور سیاسی و عملی منافقت کا انجام قرآنِ حکیم کی مندرجہ بالا آیت ظَهَرَ الْفَسَادُ..... الخ میں بحر و بر کا فساد اور آخری نتیجہ "خوف کی زندگی" بتایا گیا ہے۔ موجودہ حالات تو بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں روزِ اوّل سے بس یہی کیفیت رہی ہے۔ آج ملک کے چاروں صوبوں کے حالات پر نظر دوڑائیں، سندھ میں

میں ڈاکوؤں کا راج، قتل و غارت گری کا عروج پوری قوم کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ اب پنجاب اور سرحد میں بھی یہ سلسلہ چل نکلا ہے، شاید ہی کوئی ضلع اور گاؤں ایسا ہو جہاں خوف و ہراس کا تسلط نہ ہو۔

آج آپ چاروں صوبوں اور صوبوں کے تمام اضلاع و اطراف اور دور دراز دیہاتوں میں رہنے والے باشندوں کے دل ٹٹول کر دیکھیں، ان کے شب و روز کا مطالعہ کریں، ان کی قلبی کیفیات سے آگاہ ہوں تو خود اندازہ لگ سکے گا کہ یہاں دہشت گردی، بدامنی اور خوف و ہراس کا کیسا شدید تسلط ہے۔

سندھ کے حوالے سے قومی پریس میں حکمرانوں، ڈاکوؤں اور پولیس افسروں کے انٹرویوز اور بیانات سامنے آگئے ہیں جس سے یہ حقیقت ایک بار پھر اُجاگر ہوگئی ہے کہ اب پولیس ہمارے ہاں قیام امن کا ادارہ نہیں رہی ہے بلکہ اسے فساد انگیز ادارے کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے حکومت کے ذمہ دار افراد کے علاوہ قومی سیاست کے ہیروؤں کا بھی اس میں بنیادی اور کلیدی کردار ہے۔ جو رہبر محافظ اور نگران ہے وہی ڈاکو، قاتل اور رہزن بھی ہے، پھر جب پولیس ظالم، راشی اور بدعنوان بھی ہو تو وہ قیام امن کا ادارہ نہیں رہتی بلکہ ظلم کی چکی کا کردار اختیار کر لیتی ہے ——

سندھ کے حوالے سے ملک کی تاریخ کی بدترین خونریزی اور غارت گری کا بازار گرم ہے اور جس کا سلسلہ پوری شدت سے آگے بڑھ رہا ہے۔ حکومت کی صورتحال سے لاتعلقی اور سنگدلانہ بے نیازی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تاہنوز مناسب تحقیقات کا کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے۔ اگر کچھ اقدام ہوئے بھی ہیں تو بڑا چور نہیں پکڑا گیا تمام بڑی مچھلیوں کو بھاگ نکلنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مجرم آزاد اور بے گناہ پکڑے جاتے ہیں۔ قیام امن کی ہر کوشش ناکام اور ہر اقدام مزید بدامنی کا سبب بن رہا ہے۔

گلی کوچوں کا عام آدمی ہو یا کوئی بڑا تاجر اور صنعتکار، خود پولیس کے اعلیٰ حکام ہوں یا عدالتوں میں بیٹھے ہوئے جج، سیاستدان ہوں یا قانون دان، علماء اور راہنمایانِ قوم ہوں یا صحافی اور رپورٹرز، چیف آف آرمی سٹاف کی وردی میں ملبوس سپہ سالار ہو یا ایوانِ صدر میں تشریف فرما صدر مملکت، صوبائی وزرائے اعلیٰ ہوں یا ملک کا وزیر اعظم، سب خوف کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور پھر خوف بھی ایسا کہ ”باہر والوں سے کم اور اندر والوں سے زیادہ“! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ حقیقی سبب کی تلاش کیجئے تو بالآخر قرآن کریم کی بتائی ہوئی وہی تشخیص اور دلوں کا روگ کہ جسے اللہ پاک نے ”فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ“ سے تعبیر کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوغلی پالیسی، دورُخا سلوک اور عملی رویّہ اور نفاق و منافقت قرار دیا ہے۔

آخر پورے ملک میں جب چھوٹے بڑے تمام قومی راہنماؤں، سیاسی زعماء اور حکمرانوں کے طرزِ عمل سے قومی حالات

اور سیاسی معاملات میں اخلاقی اقدار پامال کیے جا رہے ہوں، ملک دشمنی کے رجحانات پر مجرمانہ چشم پوشی پر خود اپنے ضمیر کی ملامت بھی ختم ہو چکی ہو، کٹر اصول پسندی کی جگہ مصلحت کوشی اور مداہنت اور مصالحت کی روش کو ترجیح حاصل ہو، قطعی نصوص اور واضح اسلامی ہدایات کے باوصف مغرب کی سیکولر سیاست پر دین کا لیبل چڑھایا جا رہا ہو، قومی اتحاد اور یکجہتی پر اصرار کے باوجود افتراق و انتشار کی قوتوں کو فروغ اور تحفظ دیا جا رہا ہو، اسلام اور نظریہ پاکستان پر خوبصورت اور مقفیٰ و مسجع تقاریر کے باوجود ان سب کی دھجیاں بکھیرنے والے افراد قومی ہیرو باور کرائے جاتے ہوں، تخریب کاری کی مسلسل اطلاعات، تخریب کاروں کے داخلے اور ڈاکوؤں کی منظم لوٹ مار سے گہری واقفیت کے باوصف ان کے مقامی سرپرستوں اور محافظوں کے ناموں کا اخفاء اور رہزن کی شکل میں رہزنی کرنے والوں کی مزید تقویت کی جاتی ہو ——— بھارت، روس، افغانستان، ایران، اسرائیل اور امریکہ سے بعض سیاسی راہنماؤں اور جماعتوں کے رابطوں کی تحقیق اور دستاویزی شہادتوں کے انبار، مگر ان سب پر کاروائی کا فقدان اور سرد خانہ میں ان کی تدفین ہی کو اصل فریضۂ منصبی سمجھا جاتا ہو ——— ملک دشمنی کے واضح اور قطعی ثبوت مہیا ہونے کے باوجود ملک دشمن شخصیتوں اور ملکی سالمیت و نظریاتی اساس سے باغی جماعتوں کا حق سیاست اور حق حاکمیت محفوظ بنایا جاتا ہو، سیاسی زعماء کا ہر تقریر اور ہر بیان میں یہ اصرار کہ فوج کو سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیئے کیونکہ وہ ہمارا اسلحہ بازو ہے، اسلحہ کا سیاست میں کیا کام؟ مگر عملاً ہر سیاسی جماعت کی اپنی پرائیویٹ آرمی ہے، کلاشنکوف سے لیکر راکٹ لانچر اور میزائل تک سب ہتھیار موجود ہیں، بیرونی تربیت یافتہ تخریب کاروں کی فوج ظفر موج اس پر مستزاد ہے۔

اور اب تو پورے ملک میں یہ نقشہ بن چکا ہے کہ دل و دماغ کو مسخر کرنے والے استدلال، حقانیت اور صداقت پر مبنی اصولوں، ٹھوس واضح اور قومی خدمت کے بے غبار لائحہ عمل کے بجائے جسم کو یک لمحہ چھلنی کرتے والے اسلحہ سے کام لے کر اپنے کام کو مختصر کر دیا گیا ہے۔

یہی حال سرکاری محکموں، مختلف نجی شعبوں اور قومی اداروں کا ہے۔ ہر ایک پر خوف کا تسلط اور خود نظم مملکت و سیاست اور محافظین امن سے تحفظ کی توقع رکھنے والے عوام پر عالم بیچارگی و کسمپرسی طاری ہے اور مستقبل کے بارے میں خوف اور اندیشے اپنا سایہ بڑھا رہے ہیں۔ غرض نفاق اور تضادات کا ایک سیلاب ہے جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

جب ریاست کی وہ مشینری جس کی ہیبت سے مجرموں کا پتہ پانی ہوا کرتا تھا خود مجرموں کے سامنے لرزہ براندام نظر آنے لگے، مجرموں کا لوٹا ہوا مال ریاست کے وسائل کو شکست دینے، ان کا جدید ترین اسلحہ اور انکے تخریب کار گروہ

کی تربیت و تنظیم محافظانِ عوام کی تربیت و تنظیم پر غالب آجانے کی صورت اختیار کرے تو معاشرہ میں کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ، سب کی میراث خوف و ہراس کے سوا اور کیا ہوگی؟ ——— اس کا علاج، اس کا ازالہ اور اس قدر پیچیدہ اور بظاہر گنجلک مسئلے کا حل صرف ایک ہی ہے کہ اپنے رب سے رجوع کیا جائے جس نے کامیابی کی ایک شرط رکھی ہے اور اس شرط کی تکمیل پر ہی پروردگارِ عالم نے فوز و فلاح اور قطعی کامیابی کی ضمانت اور بشارت دی ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۚ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

(البقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷)

اور ہم تمہاری آزمائش کرکے رہیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے، اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۝ (وہ لوگ) کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں ۝ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہونگی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت بھی اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

اس وقت اپنی انفرادی اور اجتماعی بداعمالیوں، قومی خیانتوں، دینِ اسلام سے بغاوتوں، قرآن و سنت کے قطعی احکام سے استہزاء اور اس پر مجرمانہ سکوت کی غفلتوں، حکمرانوں کی منافقت اور قومی راہنماؤں کی لادین سیاست کے سیاہ کرتوتوں اور عام افراد کی غفلت کیشیوں اور اپنے ہاتھوں کی عاصیانہ کمائیوں سے پوری قوم خوف و خطر، فسادات و بدامنی، قتل و خونریزی، ڈاکہ زنی اور لوٹ مار، قدرتی آفات، پے بہ پے سیلابوں، ناگہانی حادثوں، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے کے اندیشوں میں مبتلا ہے اور بیرونی آقایانِ ولی نعمت اور غمخوار سرپرستوں کی بھرپور مدد و حمایت سے داخلی تخریبی قوتوں نے بدامنی، دہشت و بربریت اور خوف و ہراس کے تسلط کو کئی گنا بڑھا دیا ہے اور عوام و خواص سب کو اسی میں جکڑ لیا ہے ——— قوم کے زیرک افراد ارباب علم و بصیرت خوف کی فضا طاری کرنے، ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں اور رہزنوں کی سرپرستی کرکے ہر ہر لمحہ ڈراتے دھمکاتے اور خطرناک انقلاب کے ناپاک عزائم رکھنے والی قوتوں سے ناواقف نہیں ہیں جنہوں نے سیاست اجتماعیت اور قوم و ملت کی پرسکون زندگی میں خوف و ہراس کی نفسیات کو بڑی چابکدستی سے استعمال کیا ہے اور کر رہے ہیں ———

قوم کا، قومی راہنماؤں کا، اربابِ حکومت سمیت اہلِ سیاست کا اور دینی و مذہبی قیادت کا اصل امتحان یہی ہے کہ وہ اس خوف و ہراس، دہشت و بربریت، فتنہ و فساد اور بدامنی و الحاد کی دیوار کو گرانے کیلئے ٹھوس اقدام بالخصوص منافقت ترک کرکے قول و عمل کی یکسانیت کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر اس سے سہم سہم کر خود بھی دم توڑ بیٹھتے ہیں اور پوری قوم کو بھی لے ڈوبتے ہیں ——— فی الحال پوری ملکی قیادت اس خوف و ہراس کی شدید گرفت میں ہے۔ ہماری دعا ہے اور عملی معاونت کے لیے ہر ممکنہ اقدام میں بھرپور تعاون کی پیشکش بھی! خدا تعالیٰ ہمت دے کہ وہ پوری قوم کو اس اذیت سے نجات دلا سکیں۔ (آمین)

عبدالقیوم حقانی

۷

مولانا عبدالقیوم حقانی

تہذیب مغرب اور لادین جمہوریت کے دو شاہکار

انسان کی ہار اور کتے کی جیت، امریکی قصبے کا میئر کتا، اور دو آدمیوں کی آپس میں شادی

پاکستان میں سی این این نشریات کا سلسلہ بھی کہیں امریکی اہداف کی تکمیل کا حصہ تو نہیں؟

بات نہ ضد اور غصے کی ہے، نہ بے جا اصرار اور نہ ہی دلائل کی کھینچا تانی کی ——— مسئلہ سیدھا اور سادہ ہے کہ سب "انسان" ابن آدم ہونے کی حیثیت سے مساوی حیثیت کے حامل ہیں، سبھی کا احترام، انسانی حقوق اور عزت و رزق کے مواقع سب کے لیے یکساں فراہم ہونے چاہئیں اور تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے ہمدردی، خیرخواہی، محتاجی اور پریشانی میں باہمی تعاون وایثار کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اسلام اس حد تک فراخدلی ہی سے ان امور کا مؤید ہی نہیں بلکہ وہ اس تصور کا علمبردار اور پاسبان بھی ہے، اور یہ دین حق اپنے ماننے والوں کو انتہائی اہمیت کے ساتھ ان "انسانی حقوق" کے احترام کی تلقین ہی نہیں کرتا ——— بلکہ حکم دیتا ہے اور اس حکم کی تعمیل پر ہی وہ "مجرم" اور "محسن" کے مابین لکیر کھینچتا اور مرتبے اور حیثیت کا تعین کرتا ہے ——— جبکہ اس کے برعکس بہت سے مذاہب محض خاندان، نسب ونسل، رنگ وعلاقے کی بنا پر انسانوں کے مابین ایسی اونچ نیچ کے علمبردار ہیں جو ایک انسان کو ہمیشہ کے لیے ذلیل، نجس، پلید اور دوسرے کو پوتر (پاک و نیک) اور بغیر کسی عمل کے بعض نسل و نسب کی بنا پر آقا، حکمران اور پرستش کا مستحق قرار دیتے ہیں۔

لیکن اس "مساوات" کو عقل و دانش، تجربے اور مشاہدے ہر پہلو سے غلط اور انسانی شرافت کے منافی قرار دیا ہے کہ:-

(الف) ہر انسان کو ہر عمل، ہر کام، ہر منصب اور ہر ذمہ داری کا "اہل" قرار دیا جائے۔ اسلام اور عقل دونوں کا فیصلہ ہے کہ انسانی جسم کے امراض کے علاج کا استحقاق طبیب اور ڈاکٹر کو دیا جائے گا اور غیر طبیب اور غیر ڈاکٹر کو "اس خدمت" اور "کاروبار" کے لیے نااہل قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح معلم و معمار، اکاؤنٹنٹ، ملازمت نجی ہو یا سرکاری، ہر شعبے میں ملازمت کا دروازہ اسی شخص کے لیے کھلا ہو گا جس نے تعلیم و تربیت کے ذریعے مطلوب دفتری کام کاج کی اہلیت حاصل کی ہو گی جس کے لیے اس کی تقرری کی جا رہی ہے۔

(ب) خصوصی امور و معاملات میں مشورے اور رائے دینے کے لیے بھی یہی ضابطہ کارفرما ہوگا، مختلف ناطوں میں لائق رائے وہی ان ہی افراد کی قابلِ اعتماد ہوگی جو اس نوع کے معاملات و مسائل پر سوچنے کی صلاحیت اور تجربے کی روایات اور شہادت کے حامل ہوں۔

علمی مباحث میں رائے کا حق اصحابِ علم کو حاصل ہوگا جو علم کے اُس شعبہ کے عالم ہوں جو زیرِ بحث ہے۔ اسی طرح فیصلہ انہی کا قابلِ اعتماد ہوگا جو مردم شناسی، اپنے ملکی اور ملی مسائل، موجودہ اور گذشتہ ادوار کے سیاسی اصحابِ مناصب کی تاریخ اور اس میدان کے نشیب و فراز سے آگاہ ہوں۔

اور ——— یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، اگر عدالت کے جج کی تقرری مطلوب معیارِ قانون تعلیم کے حصول پر مبنی ہے اور وکیل امورِ عدالت اور قانونی استغاثہ و شہادت کے بارے میں مدعی یا مدعا علیہ اور گواہ کی نمائندگی اس شرط سے مشروط ہے کہ وکیل نے "قانون" کی ڈگری حاصل کی ہو ——— تو کوئی وجہ نہیں کہ جو لوگ پورے ملک، ملک کی خارجہ پالیسی اور داخلی پالیسیوں اور عوام کے حقوق و مسائل کے مالک و مختار بننے والے ہوں نہ تو ان کے بارے میں اہلیت کا کوئی معیار مقرر ہو اور نہ ہی انہیں منتخب کرنے والوں کے لیے کوئی شرط رکھی جائے کہ وہ کس صلاحیت کی بنا پر ملکی قیادت نامزد کرنے کی اتھارٹی قرار پائیں گے۔

یہ قطعی اصول، جیسا کہ ضمناً عرض کیا گیا، افراد اور اداروں دونوں میں تو تمام فیصلوں کی بنیاد ہے اور اس کی خلاف ورزی کو جہالت اور غیر انسانی عمل قرار دیا جانا دنیا بھر میں معمول ہے ——— مگر جب سیاست کا موضوع سامنے آتا ہے تو اس بات کو تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کیا جاتا ہے بلکہ اسے "غیر ترقی یافتہ، مبنی بر جہالت" اور ناقابلِ تسلیم قرار دے کر اس نظریہ ہی کو توہین و تذلیل کا ہدف بنایا جاتا ہے کہ سیاستدان کا کوئی علمی، عملی، تجرباتی، ذہنی یا کوئی اخلاقی و ایمانی معیار مقرر کیا جائے ——— اور اسی طرح "روشن ضمیری" کے اجارہ دار اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ سیاسی قیادت اور ملک و ملت ہی نہیں، دین و شریعت کے لیے قائدین کا انتخاب کرنے والے ووٹرز کے لیے بھی ایمان و اخلاق اور علم و تجربہ کی بنا پر معیار متعین کیا جائے۔

اللہ مالک الملک کی کتاب برحق اور ہادیٔ ہر دو عالم سید الکونین خاتم النبیین فداہ ابائنا و امہاتنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس عنوان پر ہماری کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟ اور انہوں نے قائد بننے اور قائد چننے کے بارے میں کون سے قوانین وضع فرمائے؟ اس تفصیل کو تو ہم اس عنوان کے تحت ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے ——— لیکن چونکہ تہذیبِ مغرب، امریکی تمدن اور فحاشی کی علمبردار مغربی جمہوریت کا شور و غل اتنے زور سے ماحول پر طاری کیا جا رہا ہے کہ "اسلام" ایک ضمنی سا عنوان دکھائی اور سنائی دینے لگا ہے ——— اس لیے ہم ایک "تازہ ترین انکشاف" پرستارانِ مغرب و ثناخوانِ جمہوریت تک پہنچا کر انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ جس جمہوریت کو دین و ایمان، اخلاق و کردار اور علم و نبوت سبھی پر

فائق تسلیم کرانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں یقینی طور پر پیش آنے والی ہلاکتوں کے حوالے کرنے کو "سیاسی کارنامہ" قرار دے رہے ہیں، اس انکشاف کی روشنی میں اپنے مؤقف پر نظرثانی کریں، اور اگر اللہ مصرف القلوب نے انہیں اپنی ذات کے صدقے اپنے واحد دینِ حق کی جانب رجوع کی توفیق عطا فرمائی تو یہ اُن کی خوش بختی ہوگی۔

انکشاف" پر مشتمل خبر کا متن یہ ہے:۔ **امریکی ریاست جہاں کا میئر ایک کتا ہے۔**

"سونول (رننگ فارن ڈیلیسک) امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا کے ایک قصبہ سونول کا میئر ایک کتا ہے جس کا نام "باس" ہے جو گذشتہ تین سال سے میئر چلا آرہا ہے، یہ قصبہ سان فرانسسکو کے مشرق میں واقع ہے۔ "خلیج ٹائمز" کی رپورٹ کے مطابق مغربی ملکوں کی ایک روایت چلی آتی ہے کہ کسی ممتاز شہری کو شیرف یا میئر منتخب کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کتے کو جس کا نام "باس" ہے شہری نمبر وَن قرار دیا گیا، اور یہ میئر جب سرِعام بول و براز شروع کر دیتا ہے تو لوگ اپنا منہ دوسری طرف کر لیتے ہیں۔ سونول میں گذشتہ دنوں بلدیاتی انتخابات میں اس کتے کو ۲۰ ایس سے ۷۵ ووٹ ملے تھے، چنانچہ اسے اعزازی میئر کا درجہ دیا گیا ہے۔ انتخابات میں اس (کتے) کے حریفوں میں ایک بار کا مالک بھی تھا اور دوسرا زرعی سامان فروخت کرتا ہے۔ مقامی اخبار "سونولیاں" کی نمائندہ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ آئندہ بھی جب انتخابات ہوں گے تو اس کتے کی کامیابی کے امکانات ہیں۔"

دوسرے "انکشاف" پر مشتمل خبر کا متن یہ ہے:۔ **مرد کی مرد سے شادی**

"امریکہ میں دو نوجوان قانونی طور پر ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خبر امریکی اخبار "یو ایس اے ٹوڈے" میں ۲۷ نومبر ۱۹۹۰ء کو شائع ہوئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق ۲۷ سالہ کریگ ڈین اور ۲۳ سالہ پیٹرک گل نے ڈسٹرکٹ کولمبیا کی عدالت میں شادی کا لائسنس حاصل کرنے کیلئے ایک درخواست داخل کی ہے، ایک ہفتہ قبل واشنگٹن شہر کے حکام نے انہیں شادی کا لائسنس دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈین نے، جو وکیل ہے، کہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہم وہی حقوق اور تحفظ چاہتے ہیں جو ایک شادی شدہ جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ ڈین اور گل نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ واشنگٹن شہر کے حکام کا لائسنس دینے سے انکار نہ صرف اُن کے ساتھ امتیازی سلوک ہے

بلکہ اس سے انسانی حقوق کے قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے کیونکہ انسانی حقوق کا قانون جنسی بنیاد پر امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیتا۔ دونوں کا مؤقف یہ ہے کہ شہری قانون ایک سے زیادہ شوہر رکھنے والوں اور بعض دوسرے افراد کو شادیوں سے روکتا ہے لیکن اس قانون میں ہم جنسی کا ذکر نہیں ہے، انہوں نے شادی کا لائسنس جاری نہ کرنے پر واشنگٹن شہر کے حکام کیخلاف ۱۰ لاکھ ۲۵ ہزار ملین ڈالر کے ہرجانہ کا دعویٰ کیا ہے۔ ڈین گل دو سال تک ایک ساتھ رہے اور اب وہ ایکدوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں ڈین نے کہا کہ ہم شادی کے قانونی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں ٹیکس کے مشترکہ گوشوارے داخل کرنے کا حق اور انشورنس کے فوائد شامل ہیں۔ واضح رہے کہ کسی بھی امریکی ریاست میں مرد سے مرد کی شادی کی اجازت نہیں ہے۔"

اگر دریٔ عبرت وا ہو جائے تو بالغ رائے دہی کے ذریعہ کثرت رائے سے ہونے والے انتخابات کو واحد صحیح اور مستحق احترام و تسلیم ذریعۂ تشکیل حکومت قرار دینے والے گروہ اور افراد اس "جمہوریت" کے اس فطری انجام کو بھی زیر نگاہ رکھیں ـــــ جو اقوام اس "جمہوریت" کی موجد ہیں جس طرح وہ اس "نتیجے" کو تسلیم کر رہی ہیں اور ان کے مبصرین سیاست ۲۰ برس سے اس کتے کو میئر بلدیہ تسلیم کرنے کے بعد مستقبل کے بارے میں بھی یہ پیش گوئی کر رہے ہیں کہ "آئندہ بھی جب انتخابات ہوں گے تو اس کتے کی کامیابی کے امکانات ہیں" ـــــ اگر مغربی تہذیب اور امریکی اشاعتی پروگرام CNN کو انسانیت کی تعمیر و تشکیل اور کامیابی کا ذریعہ بنایا گیا تو وہ دن دور نہیں جب مردوں سے مردوں کی شادیاں ہونے لگیں گی۔

سچ فرمایا رب کائنات جل و اعلیٰ نے نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ " انسانوں نے اپنے مالک و حاکم حقیقی کو بھلا دیا اور اس کے نازل فرمودہ نظام زندگی کو پاؤں تلے روند کر اپنے جیسے انسانوں کے وضع کردہ نظام کو قبول کر لیا تو اللہ ذوالجلال نے انہیں یہ سزا دی کہ اپنے انسانی شرف ہی سے خالی الذہن ہو گئے ـــــ

اور یوں انسان ووٹروں نے اپنے جیسے انسان کو ۱۲۰ میں سے ۵۰، اور کتے کو ۷۵ ووٹ دے کر انسانوں کو ہرا دیا اور کتے کو اپنا "میئر" (حاکم) چن لیا ـــــ اور بالغ رائے دہی کے تحت اکثریت کے فیصلے کو برحق تسلیم کرنے کا "جمہوری طریق انتخاب" اپنی اصلی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔

پی ٹی وی بالخصوص سی این این کی نشریات امریکی معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں، یہ قوم و ملت کے خلاف ایسی خطرناک یلغار ہے کہ اگر اس یلغار کو روکنے کی کوشش نہ کی گئی تو ہماری بچی کھچی اسلامی ثقافت بھی ہم سے چھن جائے گی۔

سید جلال الدین عمری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اور فرامین کا ایک بڑا ذخیرہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے[1]
یہ مکاتیب تین طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ مکاتیب ہیں جن کے ذریعہ آپ نے سرداران قبائل اور سربراہان ممالک کو اسلام کی دعوت دی۔ دوسرے وہ مکاتیب ہیں جن میں آپ نے مسلمانوں کے لئے خاص خاص احکام شریعت کی تفصیل قلم بند کرائی ہے۔ تیسرے وہ مکاتیب ہیں جنہیں سیاسی نوعیت کے مکاتیب کہا جا سکتا ہے۔ ان کے ذریعہ آپ نے کسی کو پناہ دی ہے، کسی سے معاہدہ کیا ہے یا عطیات وغیرہ سے نوازا ہے۔ ان سب کی اہمیت ہے اور ان سے زندگی کے مختلف گوشوں میں ہدایت اور رہ نمائی ملتی ہے۔ لیکن اس وقت ہم صرف پہلی قسم کے مکاتیب کا ذکر کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے اسلام کی دعوت عام نہ ہو سکی۔ قریش کے ظلم وستم نے اس کی راہ میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں۔ مدینہ پہنچنے کے بعد قریش اور ان کے حلیف قبائل سے باقاعدہ جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اسلام کو حجاز کے دور دراز علاقوں تک پہنچانے اور اس سے آگے دنیا کو اس کی طرف براہ راست دعوت دینے کے مواقع حاصل نہیں تھے۔ اس دوران میں حدیبیہ کی صلح ہوئی۔ یہ صلح اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے حالات کا رخ یک لخت بدل دیا اس کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوئے اسی وجہ سے قرآن مجید نے اسے "فتح مبین" سے تعبیر کیا ہے[2]

صلح حدیبیہ قریش کے ساتھ امن کا معاہدہ تھا اس سے حالت جنگ ختم ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا موقع ملا کہ عرب کے دور و نزدیک کے قبائل اور دنیا کے سربراہان ممالک کو اسلام کی براہ راست دعوت دیں اس دعوت کے مخاطبین کو بھی اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لئے ٹھنڈا ماحول میسر آیا۔

---

[1] ان مکاتیب کی بڑی تعداد ابن سعد نے جمع کردی ہے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ۱/ ۲۵۸ - ۲۹۱
محترم ڈاکٹر حمید اللہ (مقیم پیرس) کی "الوثائق السیاسیہ" اس موضوع پر سب سے جامع تالیف ہے جو نہایت عمدہ تحقیق کے ساتھ مرتب کی گئی ہے۔ [2] سورۃ الفتح

یہ بات محدثین اور مورخین کے درمیان طے ہے کہ یہ مکاتیب صلح حدیبیہ کے بعد لکھے گئے۔ البتہ اس کے وقت کی ٹھیک ٹھیک تعیین میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی[1] ابن سعد کہتے ہیں کہ ذی الحجہ میں حدیبیہ سے واپسی ہوئی اور محرم ۷ھ میں یہ مکاتیب سفیروں کے ذریعے بھیجے گئے[2] واقدی کا بیان ہے کہ ذی الحجہ ۶ھ ہی میں سفراء ان خطوط لے کر روانہ ہوئے تھے[3] علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ ذی الحجہ ۶ھ میں آپ نے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھنے اور سفیروں کے ذریعہ انہیں بھیجنے کا فیصلہ فرمایا اور محرم ۷ھ میں اس پر عمل درآمد ہوا[4] اس طرح زرقانی نے ان بیانات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

[5] ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے لکھے گئے[5]۔ امام بخاری نے ان مکاتیب کا ذکر غزوۂ تبوک کے بعد کیا ہے[6] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مکاتیب ۹ھ میں لکھے گئے۔ ان دونوں بیانات میں تطبیق اہل مغازی کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ تبوک سے بھی آپ نے بعض سلاطین کو دوبارہ خطوط لکھے[7]

غالباً اسی وجہ سے ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ یہ مکاتیب صلح حدیبیہ سے لے کر وفات تک درمیانی مدت میں لکھے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ اور اپنی وفات کے دوران میں اپنے اصحاب میں سے بہت سے افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والوں کی حیثیت سے عرب و عجم کے بادشاہوں کے پاس مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا۔	کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد فرق رجالا من اصحابہ الی ملوک العرب والعجم دعاۃ الی اللہ عزوجل فی ما بین الحدیبیۃ ووفاتہ[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سرداروں اور سربراہوں کو مکاتیب کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور جن صحابہ کرام نے سفارت کے فرائض انجام دیے ان کے نام یہ ہیں:۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، غزوۃ الحدیبیہ، مسلم، کتاب المناسک، باب بیان عدد عمر النبی وزمانھن [2] طبقات ۱/۲۵۸ [3] ... تاریخ الرسل والملوک ۲/۶۴۴- ابن کثیر: السیرۃ النبویہ: ۴/۴۹۴ [4] المواہب اللدنیہ ۳/۳۶۵ [5] ال... النبویہ ۴/۴۹۴ [6] بخاری، کتاب المغازی [7] ابن حجر- فتح الباری ۸/۸۹، ۹۰ نیز ملاحظہ ہو ۷/ ... [8] طبری تاریخ: ۲/۶۴۵

	مکتوب الیہ	سفیر
۱-	ہرقل (قیصر روم)	دحیہ بن خلیفہ کلبی رض
۲-	کسریٰ بن پرویز بن ہرمز (شاہ فارس)	عبداللہ بن حذافہ سہمی رض
۳-	نجاشی (شاہ حبش)	عمرو بن امیہ ضمری رض
۴-	مقوقس (حاکم اسکندریہ، مصر)	حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رض
۵-	حارث بن ابی شمر الغسانی (والی دمشق)	شجاع بن وہب الاسدی رض
۶-	ہوذہ بن علی الحنفی (یمامہ)	سلیط بن عمرو العادی رض
۷-	جیفر اور عبد ابنی جلندی (قبیلہ ازد کے سردار)	عمرو بن العاص رض
۸-	منذر بن ساوی عبدی (ملک بحرین)	علاء بن حضرمی رض
۹-	ذو الکلاع بن ناکور۔ ذو عمرو (حمیر یمن)	جریر بن عبد اللہ البجلی رض
۱۰-	حارث بن عبد کلال الحمیری (یمن)	مہاجر بن امیہ مخزومی رض
۱۱-	مسیلمہ کذاب	عمرو بن امیہ ضمری رض، سائب بن عوام رض
۱۲-	فروہ بن عمرو الجذامی	......
۱۳-	حارث، مسرح، نعیم (بنو عبد کلال حمیری)	عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رض
۱۴-	جبلہ بن الایہم	......

اس فہرست میں بعض سفراء کا ذکر نہیں ہے اور بعض کے بارے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ان کے ذریعہ مکاتیب بھیجے گئے۔ ممکن ہے زبانی آپ کا پیغام پہنچایا گیا ہو۔ اس پر ہم آگے بحث کریں گے۔

یہاں جن سلاطین اور امراء کا ذکر ہے ان میں سے پہلے چھ کے بارے میں ابن سعد نے صراحت کی ہے کہ محرم ۷ھ میں ان کے پاس سفراء ایک ہی دن میں بھیجے گئے[۱] علامہ ابن قیم نے بھی یہی بات لکھی ہے[۲]

واقدی کا بیان ہے کہ سفراء ذی الحجہ ۶ھ میں بھیجے گئے۔ ان میں سے تین ایک ساتھ روانہ ہوئے، مقوقس کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ رض، غسانی کی طرف شجاع بن وہب رض اور قیصر کی طرف دحیہ بن کلبی رض[۳] اس سے خیال ہوتا ہے

---

[۱] ابن سعد ۱/۱۲۰ [۲] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، تحقیق شعیب الارنووط، عبد القادر الارنووط ۱/۱۲۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۹ء ایک اور جگہ لکھتے ہیں قیل ھم الذین بعثھم رسول اللہ فی یوم واحد ۱/۱۲۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ایک کمزور قول ہے [۳] طبری۔ تاریخ الرسل والملوک ۲/ ۶۴۴

کہ باقی سفراء الگ الگ روانہ ہوئے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان کی روانگی ذی الحجہ ہی کی مختلف تاریخوں میں ہوئی ہو۔

روایات میں آتا ہے کہ ان سفراء کو روانہ کرنے سے پہلے آپ نے صحابہ کے سامنے اس مہم کی اہمیت بیان فرمائی اور اس میں تعاون کرنے اور اسے کامیاب بنانے کی ترغیب دی۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا:۔

ان اللہ بعثنی رحمۃ للناس کافۃ فادوا عنی رحمکم اللہ ولا تختلفوا کما اختلف الحواریون علی عیسیٰ

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے لہذا میری طرف سے اللہ کا دین دوسروں تک پہنچاؤ۔ اس معاملے میں تم آپس میں اس طرح اختلاف میں نہ پڑ جاؤ جس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری اختلاف میں پڑ گئے تھے۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ ان کے اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟ آپ نے فرمایا۔

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے حواریوں کو اسی طرح حکم دیا تھا جس طرح کا حکم میں تمہیں دے رہا ہوں لیکن جن حواریوں کو آں جناب نے قریب کے مقامات پر بھیجا انہوں نے بخوشی حکم کی تعمیل کی اور جنہیں دور دراز کے مقامات پر بھیجا انہوں نے ناگواری محسوس کی (تعمیل حکم سے پیچھے ہٹے اور کہا کہ ہم ان لوگوں کی زبان ہی نہیں جانتے جن کے پاس ہمیں بھیجا جا رہا ہے) حضرت عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو ان میں ہر شخص ان لوگوں کی زبان بولنے لگا جن کے پاس اسے بھیجا جا رہا تھا (اس طرح ان کا عذر ختم ہو گیا) حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ تم یہ کام انجام دو۔

صحابہ کرام نے سن کر عرض کیا ہم آپ کا پیغام پہنچانے کے لئے تیار ہیں۔ آپ جہاں چاہیں ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے مختلف سفراء (اس روایت میں سات سفیروں کا ذکر ہے) روانہ فرمائے[1]

---

[1] رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد ۵/۳۰۵، ۳۰۶) اس کے ایک راوی اسماعیل بن عیاش گو حدیث کے بہت بڑے عالم تھے لیکن روایت حدیث میں وہ عام طور پر ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔ بعض محدثین نے انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے۔ امام احمد اور حافظ ابن معین وغیرہ نے کہا ہے کہ شامیوں سے ان کی روایات قابل اعتماد ہیں۔ البتہ اہل حجاز سے وہ کمزور (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفراء ان لوگوں کی زبان بولنے لگے۔ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا[1] جب آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔

ھذا اعظم ما کان من حق الله فی عباده[2]	اللہ کا اپنے بندوں کا یہ سب سے بڑا حق تھا جو پورا ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ صحابہ کرام کے پیش آیا۔ اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے وہ یہ کہ آپ کے سفیروں سے شاہانِ عجم نے اپنے ترجمانوں کے ذریعہ بات چیت کی تھی۔ اگر وہ ان کی زبان سے واقف ہوتے تو مترجم کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس کے جواب میں علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ یہ شاہانِ عجم کے تکبر کا مظاہرہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے براہِ راست بات چیت پسند نہ کی[3]

یہ معجزاتی واقعہ حضرت مسیح کے حواریوں کے ساتھ پیش آیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء کے ساتھ یا دونوں ہی کی اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس سلسلہ میں مدد کی ہو۔ اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ کسی سے اس کی زبان میں خطاب کیا جائے۔ زبان کی اجنبیت بھی دعوت کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی ہے اور صحابہ کرام نے یہ زبانیں سیکھی ہیں

ان مکاتیب کو باقاعدہ سرکاری حیثیت حاصل تھی۔ اور وہ اسی حیثیت سے بھیجے بھی گئے۔ چنانچہ اس کے جو تقاضے تھے وہ پورے کئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مشورہ آیا کہ یہ خطوط مہر بند ہونے چاہئیں ورنہ ان کے شایانِ شان اہمیت نہیں دی جائے گی۔ آپ نے اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشا اور اس پر عمل فرمایا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے:۔

لما اراد النبی صلی الله علیه وسلم ان یکتب الی الروم و فی روایته ان یکتب الی العجم	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں جب آپ نے عجمیوں کو لکھنے کا ارادہ

---

[1] طبقات ۱/۲۵۸ [2] حوالہ سابقہ ص ۲۶۴ [3] المواہب اللدنیہ ۳/۳۶۵

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ:۔ روایات نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ۱/۳۲۶-۳۲۱۔ حافظ ابن حجر نے یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس کے ضعف کا ذکر نہیں کیا۔ فتح الباری ۸/۸۹ یہ روایت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ابن ہشام (۴/۲۷۸، ۲۷۹) میں بھی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ طبری ۲/۶۴۵۔ اسی مفہوم کی روایت ابن سعد میں سندوں کے ساتھ آئی ہے جس سے اس کا ضعف دور ہو سکتا ہے طبقات ۱/۲۶۴۔ مزید حوالوں کے لئے دیکھئے المواہب اللدنیہ: ۳/۳۶۵-۳۶۶

قيل له انهم لن يقرؤا كتابك اذا لم يكن مختوماً فاتخذ خاتماً من فضة ونقشه محمد رسول الله [1]

فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کا گرامی نامہ مہر بند نہ ہو تو وہ اسے ہرگز نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ آپ نے (مہر کے لئے) انگوٹھی بنوائی جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مکاتیب میں اسلام کو اس حیثیت سے پیش فرمایا ہے کہ وہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ اور اس کا خطاب مشرق و مغرب اور عرب و عجم سب سے ہے۔ آپ نے سربراہان ممالک کو دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کریں اور اس کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوں۔ اگر وہ اس کا انکار کریں گے تو آخرت میں اپنی اور اپنے ماتحت افراد کی گمراہی کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑے گا۔ اور دنیا میں بھی اس کے نتائج کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکاتیب جس مقصد کے لئے لکھے تھے اسے حضرت انسؓ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم کتب الی کسریٰ والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوهم الی الاسلام [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر سرکش (حکمراں) کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ابن ہشام کہتے ہیں:۔

بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم رسلا من اصحابه وکتب معهم کتبا الی الملوك یدعوهم فیها الی الاسلام [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے قاصد بھیجے اور ان کے ذریعے بادشاہوں کو خطوط روانہ فرمائے۔ ان خطوط میں آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔

یہ مکاتیب خالص دعوتی نوعیت کے تھے۔ ان میں اسلام کو قبول کرنے کی براہ راست دعوت دی گئی تھی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا ان مکاتیب سے اسلام ان کے مخالفین کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ

---

[1] بخاری۔ کتاب اللباس، باب اتخاذ الخاتم لیختم به الشیء او لیکتب الی اهل الکتاب وغیرهم مسلم کتاب اللباس باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال۔ اسنوی نے لکھا ہے کہ اس کی کتابت اس طرح کرائی گئی تھی کہ پہلی سطر میں اللہ دوسری سطر میں رسول اور تیسری میں محمد تھا (اللہ رسول محمد) لیکن اس کی تائید روایات سے نہیں ہوتی۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ ایک سطر میں محمد دوسری میں رسول اور تیسری میں اللہ لکھوایا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب بھی یہی تھی اس طرح محمد رسول اللہ۔ زرقانی علی المواہب ۳/ ۳۳۴ [2] مسلم، کتاب الجهاد۔ باب کتاب النبی ملوک الکفار الخ

[3] ابن ہشام۔ سیرت ۴/ ۲۷۹

آجاتا تھا کہ وہ دلائل کی روشنی میں اس کے رد و قبول کا فیصلہ کرسکیں اور رد کریں تو یہ کہا جائے کہ انہوں نے اچھی طرح سمجھنے کے بعد اسے رد کیا ہے؟

اس کے جواب میں چند باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

۱۔ یہ مکاتیب اپنے مخصوص پس منظر کی وجہ سے فیصلہ کن اہمیت رکھتے تھے یہ جس وقت لکھے گئے اسلام کی دعوت غیر معروف نہیں تھی کہ پوری تفصیل سے اسے سمجھانے کی ضرورت پیش آتی بلکہ اس کا حوالہ بھی کافی تھا اسلام کی دعوت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخالفین کے درمیان زبردست کش مکش برپا کر دی تھی اس کش مکش سے حجاز کے دور دراز کے قبائل بھی واقف تھے اس کش مکش نے باہر کی دنیا کے لئے بھی اس کے سمجھنے کے مواقع فراہم کردیے تھے۔

۲۔ مدینہ میں اسلام عملاً قائم تھا اور اس کی بنیاد پر ایک ریاست وجود میں آچکی تھی۔ اس کے مخالفین اور دشمن بھی اسلام کو سمجھنا چاہیں تو وہ انہیں اس کے مواقع فراہم کرنے کے لئے تیار تھی۔ قرآن مجید کی ہدایت ہے

وان احد من المشركين	اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ کا طالب ہو
استجارك فاجره حتى يسمع	تو اسے پناہ دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے
كلم الله ثم ابلغه مأ	پھر اسے اس امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ حکم اس
منه ذالك بانهم قوم لا	لئے ہے کہ وہ لوگ (اللہ کے دین کو) نہیں
يعلمون ۔ (التوبه - ٦)	جانتے۔

اس سے واضح ہے کہ غیر اسلامی ریاست کا کوئی فرد اسلام کو سمجھنا چاہے تو اسلامی ریاست کا موقع ضرور اسے فراہم کرے گی۔ اسلام کے سمجھنے کے لئے جس وقت تک قیام ضروری ہوگا وہ قیام کرسکے گا۔ اس کے بعد سے اسلام کو ماننے یا نہ ماننے کا کلی اختیار ہوگا۔ اگر وہ اسلام کو نہ مانے تو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے بحفاظت اس ملک میں پہنچا دے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے وطن اور اپنے ماحول میں آزادی کے ساتھ اسلام کے بارے میں فیصلہ کرسکے اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص محض ناواقفیت یا غلط فہمی کی بنا پر اسلام کی مخالفت نہ کرے[1]

---

[1] اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان باہم معاہدہ کے تحت سفارتی، تجارتی اور اسی نوعیت کے دوسرے تعلقات قائم ہوسکتے ہیں اسلامی ریاست میں غیر اسلامی ریاست کے افراد اس طرح کے جس مقصد کے تحت بھی قیام کریں گے اسلام کو سمجھنے میں انہیں مدد ملے گی اس آیت پر تفصیلی بحث کے لئے رشید رضا تفسیر المنار ۱۰/ ۱۷۷-۱۸۰

۳۔ یہ مکاتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے لکھے تھے اس لئے ان میں جن سربراہوں کو خطاب کیا گیا تھا وہ انہیں کسی عام فرد کا خطاب سمجھ کر نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ ان پر غور کریں اور کسی نتیجہ تک پہنچیں۔ ان کو دوسروں کے مقابلہ میں اس کے بہتر مواقع بھی حاصل تھے۔

۴۔ یہ خطوط جن سفراء کے ذریعہ بھیجے گئے وہ اسلام کے نمائندے تھے۔ وہ صرف نامہ بر نہیں تھے بلکہ اسلام کے ترجمان اور بروقت اس کی ترجمانی کرتے تھے۔

ان وجوہ سے ان مکاتیب میں جن لوگوں کو خطاب کیا گیا تھا ان کے لئے اسلام سمجھنا آسان تھا۔ ان کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی جو دور نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان مکاتیب کے ذریعہ اس بات کے مطالبہ کا آپ کو پورا حق حاصل تھا کہ وہ اسلام کو سمجھیں اور اسے قبول کریں۔

ان مکاتیب کے مطالعہ سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کا ذریعہ تقریر ہی نہیں تحریر بھی ہے تحریر سے بھی مخاطبین پر اتمام حجت ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ہر حال میں بالمشافہ بحث اور گفتگو ضروری نہیں ہے قیصر و کسریٰ کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب کے ذکر جس حدیث میں ہے اس کے ذیل میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :-

وفی الحدیث الدعاء الی الاسلام بالکلام و الکتابۃ تقوم مقام النطق[1]

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف دعوت زبان سے بھی دی جاتی ہے اور تحریر کے ذریعہ بھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحریر زبان کی جگہ لے سکتی ہے۔

موجودہ دور میں تحریر کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اس کے ذریعہ زیادہ وسیع حلقہ تک اسلام کو پہنچایا جاسکتا ہے اور مخاطب کو اس پر غور و فکر کا زیادہ موقع ملتا ہے۔

ان مکاتیب کے مضمون اور ان کے رد عمل پر انشاء اللہ آئندہ بحث ہوگی :-
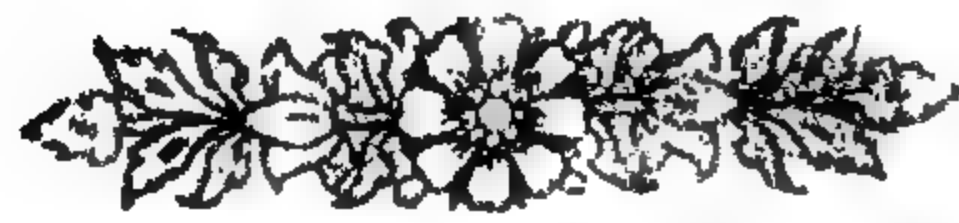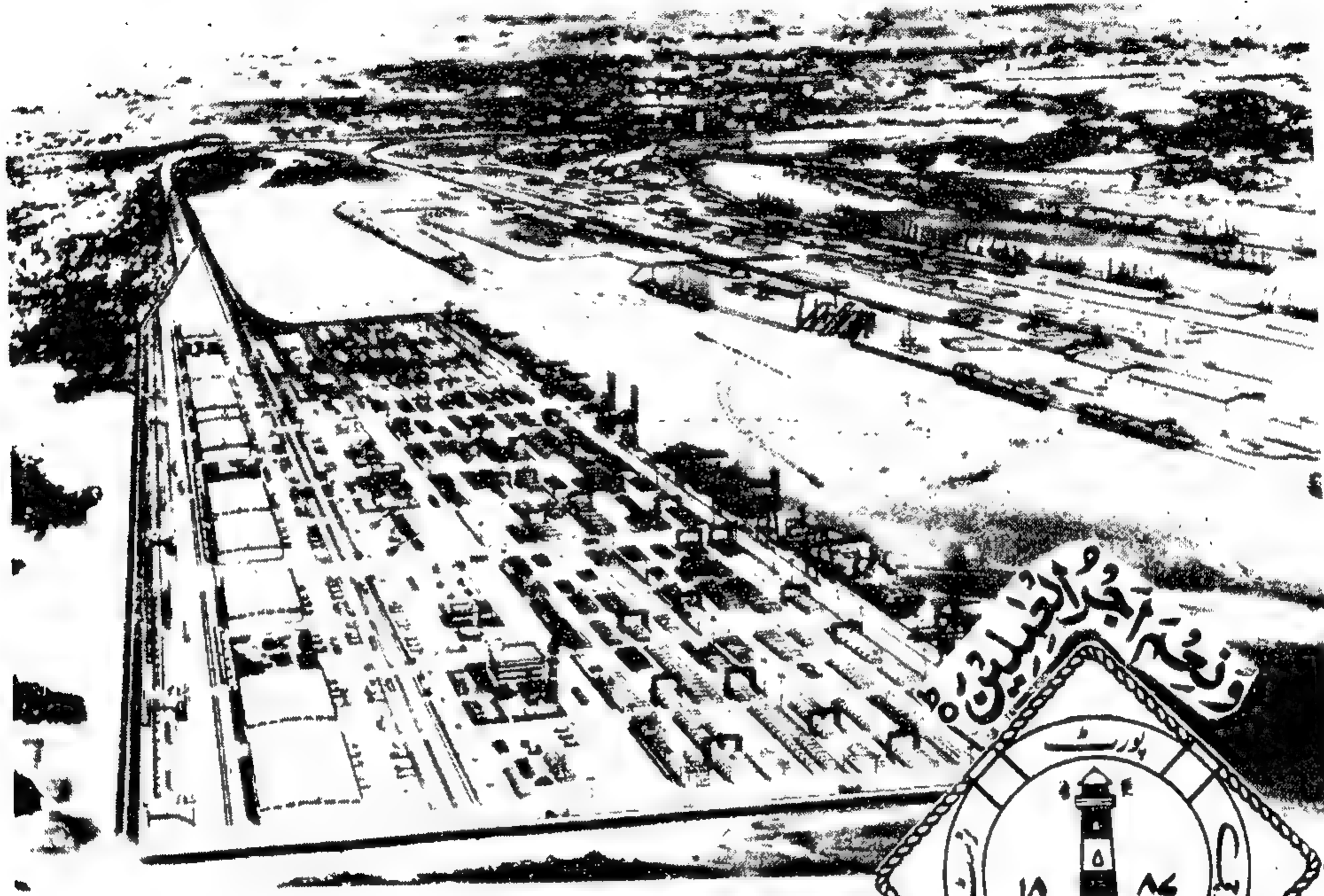
[1] فتح الباری ۶/۶۸

مقدار سب سے زیادہ
750 ملی لیٹر
معیار میں بھی
اور مقدار میں بھی
سب سے بڑھ کر
رُوح افزا
اپنی خوشبو، ذائقے، رنگ اور تاثیر کی
وجہ سے معیار میں بے مثال ہے
اور اس کی ہر بوتل میں دوسرے شربتوں
کے مقابلے میں ۲۵ سے ۷۰ ملی لیٹر
شربت بھی زیادہ ہوتا ہے...
... عام شربت نہیں۔ "رُوح افزا"
یہی نہیں، اپنے خالص اجزا کی وجہ سے
رُوح افزا شہد کی طرح گاڑھا ہے۔
زیادہ مقدار اور گاڑھے قوام کی وجہ سے
آپ رُوح افزا کی ایک بوتل سے
دوسرے شربتوں کے مقابلے میں
رُوح افزا کے زیادہ گلاس تیار کرتے ہیں
اور ہر گلاس میں خوبیاں یکساں...
رُوح افزا کی خوبیاں۔
ہر بوتل میں ۷۵۰ ملی لیٹر رُوح افزا
PAKISTAN
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HAMDARD FRUIT PRODUCTS
HFP
ہمدرد دواخانہ (وقف) کراچی
رنگ، خوشبو، ذائقے
تاثیر اور معیار میں بے مثال
رُوح افزا
مشروب مشرق
ہمدرد

arts – HRA-1/91

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

نکاح کی اہمیت اور اُس کا فلسفہ

اسلامی شریعت میں!

الولد من ریحان الجنة — لڑکا جنت کا پھول ہوتا ہے۔[۱]

ریح الولد من ریح الجنة — بچے کی خوشبو جنت کی خوشبو ہوتی ہے[۲]

اسی بنا پر بعض روایات میں آتا ہے کہ جس گھر میں بچے نہ ہوں اس میں خیر و برکت بھی نہیں ہوتی

بیتٌ لاصبیان فیه لابرکة فیه — جس گھر میں بچے نہ ہوں اس میں برکت نہیں ہوتی[۳]

ان تمام احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاحی زندگی اختیار کرنے، پاکیزہ زندگی گذارنے اور بیوی بچوں کی صحیح دیکھ بھال اور ان کی صحیح تربیت پر ابھارا گیا ہے۔

اسلام میں کثرت اولاد کی اہمیت

بعض احادیث و روایات میں شادی بیاہ کرنے اور زیادہ سے زیادہ اولاد کی تحصیل پر ابھارا گیا ہے۔ اور اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن دیگر امتوں کے مقابلے میں امت اسلامیہ کی کثرت ثابت ہو۔

تناکحوا تکثروا، فانی اباهی بکم الامم یوم القیامه۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آپس میں ایک دوسرے سے نکاح کرو تا کہ تمہاری کثرت ہو جائے۔ میں اس بنا پر قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا[۴]

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمر بالباءة وینهی عن التبتل نهیا — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم کرتے اور تجرد کی زندگی گذارنے کی سختی کے

---

[۱] کنز العمال ۱۶/۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت [۲، ۳] ایضاً

[۴] مصنف عبدالرزاق ۶/۱۷۳ - باب وجوب النکاح وفضلہ مجلس علمی گجرات

شدیدًا، ویقول تزوّجوا الودود الولود فانی مکاثرٌ الانبیاء بکم یوم القیامۃ

ساتھ ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ تم زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو[1] کیونکہ میں قیامت کے دن تمہارے ذریعہ دیگر انبیاء پر فخر کروں گا۔[2]

انکحوا امہات الاولاد، فانی أباھی بھم یوم القیامۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اولاد والی ماؤں (یعنی زیادہ بچے جننے والیوں) سے نکاح کرو تاکہ میں قیامت کے دن اُن کے ذریعہ فخر کرسکوں[3]

تزوّجوا فانی مکاثرٌ بکم الامم ولا تکونوا کرھبانیۃ النصاری

اے مسلمانو! تم نکاح کرو (تاکہ زیادہ بچے پیدا ہوں) میں تمہارے ذریعہ دیگر امتوں پر فخر کروں گا اور تم عیسائیوں کی طرح رہبانیت اختیار مت کرلینا۔[4]

اسلام میں کثرتِ اولاد کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک خوبصورت مگر بانجھ عورت کے مقابلہ میں زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت کو بہتر قرار دیا گیا ہے اگرچہ وہ بذاتِ خود خوبصورت نہ ہو۔ چنانچہ احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آکر عرض کرتا ہے کہ میں نے ایک اچھے خاندان کی اور خوبصورت عورت کو پالیا ہے مگر یہ کہ وہ بانجھ ہے۔ تو کیا میں اس سے بیاہ کرلوں؟

اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

نہیں۔ پھر وہ دوبارہ آتا ہے تو آپ اسے دوبارہ منع فرماتے ہیں پھر وہ سہ بارہ آتا ہے تو آپ فرماتے ہیں:

تزوّجوا الودود الولود، فانی مکاثرٌ بکم الامم

تم محبت کرنے اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے بیاہ کرو۔ کیونکہ میں قیامت کے دن

---

[1] یعنی ایسے خاندان میں نکاح کرو جس کی عورتیں زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں [2] سنن ابی سعید بن منصور ١٣٢، سنن کبری بیہقی ٧/٨١، ٨٢، صحیح ابن حبان ٧/٣٦٣، مسند احمد ٣/١٥٨، نیز طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ٤/٢٥٢ [3] الفتح ربانی (ترتیب مسند احمد) مرتبہ احمد عبدالرحمٰن البناء ١٦/١٤٥، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ [4] السنن الکبری، منقول از کنز العمال ١٦/٢٧٥

لاتزوجوا عجوزاً ولا عاقراً، فانی مکاثر بکم الامم۔

تمہارے ذریعہ دیگر امتوں پر فخر کروں گا[1]
تم کسی بڑھیا یا بانجھ عورت سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ میں تمہارے ذریعہ دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔[2]

ان احادیث کے ملاحظہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ازدواجی اور خاندانی زندگی کی راہ میں اسلامی شریعت کا مزاج کیا ہے۔ نیز ان روایات سے یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظروں میں موجودہ دور کی خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول ایک معیوب چیز ہے کیونکہ ہر شخص کا بندھا ہوا رزق اللہ کی طرف سے برابر پہنچتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا رب اور پروردگار ہے۔ رزق کی چابیاں انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خالق ارض وسما کے دستِ قدرت میں ہیں۔ لہذا انسان کو اس بارے میں خواہ مخواہ پریشان ہو کر اپنا وظیفۂ حیات ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حسب ذیل ارشادات باری اس سلسلے میں دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں :-

وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ویعلم مستقرھا ومستودعھا
(ھود ۶)

اور روئے زمین پر جو بھی جاندار ہے اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ اس کے عارضی اور مستقل ٹھکانوں سے بخوبی واقف ہے۔

وکاین من دابۃٍ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم
(عنکبوت ۶۰)

اور کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔
(طلاق ۲-۳)

جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لئے بچاؤ کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسے طریقے سے رزق دیتا ہے جہاں تک اس کا گمان بھی نہ جاتے۔

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر
(رعد ۲۶)

اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے اس کی روزی کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے۔

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب النکاح ۲/ ۵۴۲، نسائی نکاح ۲/ ۶۸، مستدرک ۲/ ۱۶۲

وفی السماء رزقکم وماتوعدون۔ (ذاریات ۲۲)	تمہاری روزی (کا فیصلہ) آسمان میں ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

رزق کی کشادگی ازدواجی زندگی میں

مذکورۂ بالا تفصیلات کی رُو سے بخوبی واضح ہوگیا کہ شادی بیاہ کرنا اسلام کی نظر میں کسی بھی طرح حقیر یا ادنیٰ درجے کا کام جانا۔ بلکہ یہ عمل بھی ایک عبادت اور اجرو ثواب کا باعث ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بے شمار دینی و دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مگر بعض لوگ نکاح کرنے اور بیاہی زندگی گذارنے سے اپنی محتاجی یا غربت کی وجہ سے کتراتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ترغیب دی ہے کہ اپنی محتاجی کی وجہ سے شادی بیاہ سے کترانا اس مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ رزق تلاش کیا جائے۔ یعنی جب کوئی بندہ نکاح کر کے معاشی جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق رزق کو نکاح کے ذریعے ڈھونڈنے کی تاکید کی گئی ہے۔

التمسوا الرزق بالنکاح	رزق نکاح کے ذریعہ تلاش کرو[1]

مطلب یہ کہ رزق نکاح کے وسیلہ سے ملتا ہے لہٰذا محتاجی یا عیالداری کے خوف سے ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

من ترک التزویج مخافۃ العیلۃ فلیس منا۔	جس نے محتاجی کے خوف سے نکاح نہیں کیا تو وہ ہمارا آدمی نہیں ہے[2]

اسلام میں نکاح اور ازدواجی زندگی کی اس قدر اہمیت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ انہیں اپنی زندگی کا ایک دن بھی بے نکاحی کی حالت میں مرنا پسند نہیں تھا۔

لو علمت انہ لم یبق من اجلی الا عشر لیال، لاحببت ان لا یفارقنی فیہن امراۃ[ﺍ]	اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میری زندگی کے اب صرف دس دن ہی باقی رہ گئے ہیں تو میں چاہوں گا کہ ان دس دنوں مجھ سے کوئی عورت جدا نہ ہو (بغیر بیوی کے میری موت نہ آنے پائے[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دس دنوں میں سے آخری دن مر جاؤں گا تو فتنہ کے خوف سے میں ضرور نکاح کر لوں گا[4]

---

[1] مسند فردوس، کنزالعمال ۱۶/ ۲۷۶ [2] ایضاً ۱۶/ ۲۷۹ [3] رواہ الطبرانی وفیہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی وہو ثقۃ ولکنہ اختلط، وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد از نورالدین ہیثمی ۴/ ۲۵۱ [4] سنن سعید بن منصور ۱/ ۱۲۲ - مصنف عبدالرزاق ۶/ ۱۷۰

نکاح کے غلط طریقے | نکاح کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس بندھن کے ذریعہ مرد اور عورت دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو رہیں یہ نہیں کہ محض ذائقہ چکھنے کی غرض سے ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے رہیں یا عارضی طور پر کسی قسم کا معاہدہ کر کے مرد عورت کو نقصان پہنچائے یا اسے کسبی (رنڈی) بننے پر مجبور کرے۔ معاشرہ کی سلامتی صرف ازدواجی ضوابط کی پابندیوں ہی سے ہے۔ لہذا دائمی معاہدۂ نکاح کے علاوہ جتنے بھی دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں وہ سب مفسد تمدن ہوں گے۔

اسلام سے پہلے اہل عرب میں نکاح کے چند طریقے رائج تھے جن کا تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی حدیث کی کتابوں میں اس طرح موجود ہے۔

۱۔ موجودہ طریقہ (اسلامی طریقہ) کے مطابق کوئی شخص کسی کی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجتا اور پھر اس کا مہر ادا کر کے اس سے نکاح کر لیتا۔

۲۔ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا (جب کہ وہ ماہواری سے فارغ ہو کر پاکی کی حالت میں ہوتی) کہ تو فلاں (بڑے) آدمی کے پاس جا کر اس سے ہمبستر ہو جا۔ اس خیال سے کہ اس کے ذریعہ ایک اچھا لڑکا حاصل ہو جائے۔ اور اس دوران وہ اپنی بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس کا حمل ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر اس کے بعد اگر وہ چاہتا تو خود بھی اپنی بیوی سے مجامعت کرتا۔

۳۔ دس سے کم آدمی ایک متعین عورت کے پاس جمع ہو جاتے اور اس سے (باری باری) مجامعت کرتے جب اس عورت کے بچہ ہوتا تو وہ سارے مردوں کو بلوا بھیجتی اور ایسے موقع پر کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنے سے رہ جائے جب سارے مرد اس کے جمع ہو جاتے تو وہ جس شخص کو پسند کرتی اس کا بچہ قرار دے دیتی اور وہ اسی کا مان لیا جاتا۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ اس سے انکار کرے۔

۴۔ بہت سے مرد کسی ایک عورت کے پاس آتے جاتے رہتے اور وہ کسی کو نہ روکتی۔ اور یہ فاحشہ عورتیں تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کیا کرتی تھیں جب ان میں سے کسی عورت کے بچہ ہوتا تو سارے مردوں کو جمع کیا جاتا اور پھر قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا۔ جو قیافہ شناسی کے ذریعہ بچہ کو کسی ایک مرد کے مشابہ قرار دیتے اور وہ اسی کا تسلیم کر لیا جاتا۔

مگر اسلامی شریعت نے موجودہ طریقہ کے علاوہ بقیہ تمام طریقوں کو باطل قرار دیا[1]
حافظ ابن حجر اور علامہ بدرالدین عینی نے بعض علماء کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ان کے علاوہ مزید تین طریقے

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح ۶/۱۳۲ مطبوعہ استنبول ۱۹۷۹ء

اہل عرب میں رائج تھے جن کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے ۔

۵ ۔ نکاح خدن ۔ (خفیہ دوستی) چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہے ۔

ولامتخذات اخدان ۔ اور وہ عورتیں خفیہ دوستی کرنے والی نہ ہوں ۔

۶ ۔ نکاح متعہ ۔ عارضی طور پر کچھ مدت کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا ۔

۷ ۔ نکاح بدل ۔ یعنی ایک دوسرے کی بیویوں کو بدل لینا [۱]

چنانچہ آج کل مغربی ممالک میں بطور فیشن ایک دوسرے کی بیویوں کو بدل لینے کا رواج چل پڑا ہے ۔ کیونکہ موجودہ انسان یکسانیت سے اکتا کر اپنی زندگی میں کچھ " نیا پن " لانا چاہتا ہے ۔ اور وہ نئے نئے طریقوں کی کھوج میں رہتا ہے ۔ چنانچہ دو دوست اپنی بیویوں کی رضامندی سے اس قسم کے جنسی تجربات کرنے میں مشغول رہتے ہیں ۔ اور اس طریقہ کا اصطلاحی نام " ادل بدل " یا SWIN GING ہے ۔ اس طرح قدیم جاہلیت آج پھر سے زندہ ہو کر اپنے کرشمے دکھا رہی ہے ۔

موجودہ اباحیت پسندی اور سماجی جرائم

اسلام کی نظر میں سوائے دائمی نکاح کے بقیہ تمام طریقے حرام اور ناجائز ہیں ۔ مرد اور عورت کے ملاپ کے ان تمام غلط طریقوں کو روکنے کا مقصد اسلام کی نظر میں فحش کاری اور بے حیائی کا سد باب اور صحیح نسب کا اہتمام اور اس کی حفاظت ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے بندھن کے سوا بقیہ تمام طریقوں میں نسب مشتبہ ہو جاتا ہے ۔ اور ان طریقوں کے ذریعہ پیدا ہونے والی اولاد کا الحاق کسی ایک شخص سے درست قرار دینا عقلی اعتبار سے ممکن نہیں ہو سکتا ۔ اگرچہ کوئی شخص بعض سماجی رواجوں کی وجہ سے مجبوراً اس کو تسلیم بھی کرلے تو یہ بات واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے درست نہیں ہو سکتی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے کسی بھی " حرامی " بچہ کی اگلی نسل مشتبہ اور داغدار ہونے کی بنا پر معاشرہ میں کمتر اور حقیر قرار دی جائے گی اور اس طرح وہ تمام بچے جو اس فرد کی نسل سے تعلق رکھتے ہوں وہ ہمیشہ ذلت اور احساس کمتری سے دوچار ہوں گے ۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز معاشرتی و تمدنی نقطۂ نظر سے سخت مضر اور فساد پرور ہوگی ۔ لہٰذا اسلام نے ان تمام طریقوں کو یک لخت ناجائز اور حرام قرار دیا ہے تاکہ انسانی معاشرہ تعمیر کی طرف آگے بڑھے اور اس میں تخریبی رجحانات پیدا نہ ہوں ۔

واضح رہے آج کل مغربی ملکوں میں جنسی اباحیت پسندی PERMISSIVENESS کی وجہ سے ناجائز یا حرامی بچوں کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ اس کی وجہ سے بہت سے پیچیدہ اور لاینحل معاشرتی و تمدنی مسائل پیدا

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح بخاری از حافظ ابن حجر ۹/۱۸۷ مطبوعہ ریاض ۔ نیز عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ عینی ۲۰/۱۲۳ مطبوعہ لاہور ۔

ہوگئے ہیں۔ اور سماجی جرائم میں بھی آج کل یہی طریقہ زیادہ ملوث نظر آتا ہے۔ کیونکہ ان بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت نہ ہونے کے باعث ان میں سماج سے باغیانہ اور مجرمانہ رجحانات پیدا ہوتے ہیں جو انہیں تخریب کاری کی طرف لے جاتے ہیں اور اس بنا پر وہاں کے عقلا اور دانشور حیران ہیں کہ ان مشکل ترین سماجی مسائل کا حل کس طرح نکالا جائے؟ لیکن اس کا حل صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ حرام کاری اور اباحت پسندی کی طرف لے جانے والے تمام دروازے بند کئے جائیں۔

اسلام کی حقیقت پسندی خلاصہ بحث یہ کہ جب لڑکا یا لڑکی جوان ہو جائیں اور وہ نکاح کی بھی استطاعت رکھتے ہوں تو ان کو پاک دامنی کی زندگی اختیار کرنے کی غرض سے نکاح ضرور کر لینا چاہئے۔ کیونکہ بے نکاحی یا تجرد کی کی زندگی کی وجہ سے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح بیوہ اور مطلقہ (طلاق والی) عورتوں کے نکاح کی بھی اسلام میں بڑی تاکید آئی ہے۔ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی خبرگیری کے خیال سے بھی متعدد نکاح کر کے امت کے لئے ایک نمونہ پیش کیا ہے [1] اور نکاح کرنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے رزق میں کشادگی عطا کرے گا۔ یعنی ایسے افراد کا رزق اللہ کے ذمہ ہو گا۔ نکاح کا ایک اہم ترین مقصد اولاد کا حصول ہے۔ جس کے کئی فوائد ہیں مثلاً

۱۔ تاکہ نسل انسانی کا تسلسل قائم رہے۔

۲۔ بڑھاپے میں وہ ماں باپ کی دیکھ بھال کر سکے۔

۳۔ اپنے مال و املاک کا وارث بن سکے۔

۴۔ اس کا نام اور اس کے کارنامے زندہ رہ سکیں۔

۵۔ اولاد کی دعا اور نیکیوں کی وجہ سے اس کی نجات ہو سکے۔

اس کے علاوہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے جو لگاؤ ہوتا ہے اور انہیں دیکھ کر جو مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ دنیا میں کسی شخص کے لئے سب سے زیادہ عزیز چیز اپنی اولاد ہی ہوتی ہے جس کا بدل دنیا کی دوسری کوئی بھی چیز نہیں بن سکتی۔ اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت سے نکاح کرنے سے منع فرمایا جو بانجھ ہو۔ اگرچہ وہ اچھے نسب اور منصب والی ہو۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر ظاہر ہوا کہ نکاح اور خاندانی زندگی کا مقصد محض جنسی لطف اندوزی نہیں بلکہ اصلاً

---

[1] چنانچہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ، حضرت زینب بنت خزیمہ رضؓ حضرت ام سلمیٰؓ اور حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ وغیرہ بیوہ تھیں اور حضرت زینب بنت جحشؓ مطلقہ تھیں جو آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں۔

دینی و دنیوی فوائد کا حصول ہے۔ اگرچہ اس میں جنسی پہلو بھی بطور ایک عامل و سبب کے نمایاں طور پر ضرور موجود ہے اور اس میں نقاشِ فطرت کی بہت بڑی حکمت و مصلحت نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان زندگی کی جدوجہد سے اُکتا نہ جائے بلکہ وہ اپنے فرائض و واجبات کو خوشی خوشی انجام دیتا رہے۔ لہٰذا خلاقِ عالم نے اس "کڑوی دوا" میں تھوڑی سی "شکر" کی بھی آمیزش کر دی ہے۔

اس سلسلے میں اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ دیگر ادیان و مذاہب کے مقابلے میں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اس پورے عمل کو بلکہ بجائے خود جنسی فعل کو بھی عبادت قرار دے دیا۔ جس کا کوئی ادنیٰ سا تصور بھی دیگر مذاہب میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس بہت سے مذاہب میں تجرد و رہبانیت کی زندگی کو افضل قرار دیتے ہوئے ازدواجی زندگی کی مذمت کی گئی ہے اور جنگلوں بیابانوں میں رہ کر نفس کشی کرنے اور راہبانہ زندگی گذارنے کو روحانیت کی معراج تصور کیا گیا ہے۔ مگر اس قسم کے تصورات چونکہ غیر فطری تھے جو انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے انہیں دوام و ثبات حاصل نہیں ہو سکا۔

اور پھر جن مذاہب میں اس قسم کی ریاضت و رہبانیت کے تصورات کے بجائے ازدواجی زندگی کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ان میں بھی مرد اور عورت کے تعلقات کی صحیح نوعیت واضح نہیں ہے جس طرح کہ اسلام میں ہر چیز کا واضح اور کافی و شافی بیان موجود ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے ادیانِ عالم میں اسلام کا تکمیلی پہلو واضح ہوتا ہے اور اس کا اصل کارنامہ سامنے آتا ہے۔

مذاق کا نکاح اور مذاق کی طلاق

ازدواجی (گرہستی) زندگی کی اس اہمیت و افادیت سے اسلامی شریعت کا مزاج اور اس کی ماہیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قدم قدم پر انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حقیقت پسندی سے کام لیتی ہے اور ایسے تمام رجحانات پر روک لگاتی ہے جو انسانی فطرت اور ایک صالح تمدن کے خلاف ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں مذاقاً نکاح کرنا یا مذاق کے طور پر طلاق دینا نافذ قرار دیا گیا ہے یعنی اگر کوئی عاقل و بالغ شخص مذاق کے طور پر نکاح کرے یا طلاق دے دے تو وہ قانونی طور پر لاگو ہو جائے گا اور اس کا یہ عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں صراحت موجود ہے۔

ثلاثٌ جِدُّهُنّ جِدٌّ وهزلُهنّ جِدٌّ۔ النكاح والطلاق والرّجعةُ۔	تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی۔ اور وہ ہیں نکاح طلاق اور رجعت (یعنی طلاق رجعی کے بعد عورت کو پھر سے بیوی بنا لینا

(بقیہ صـ ۳۳ پر)

تعاقب فرقِ باطلہ

جناب حافظ نذر احمد لاہور

پاکستان میں مسیحیوں کی تبلیغی سرگرمیاں

ہمارے سامنے مسیحی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا خاکہ مستحضر ہے۔ چند صفحات میں تمام تفصیلات پیش کرنا ممکن نہیں، اس لیے صرف اجمالی اشارات پر اکتفا کریں گے۔

پاکستان کی مسیحی تقسیم | پاکستان کی سرکاری، صوبائی اور اضلاعی تقسیم کے مقابل مسیحی مشنریوں نے اپنے تبلیغی مقاصد کے لیے پاکستان کو مندرجہ ذیل پانچ حصوں (منطقوں) میں تقسیم کیا ہوا ہے:۔

(۱) کراچی ڈایوسس (۲) حیدر آباد ڈایوسس (۳) ملتان ڈایوسس (۴) لاہور ڈایوسس (۵) راولپنڈی ڈایوسس۔

ان منطقوں کو ڈایوسس یا کاؤنٹی باونڈری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ہر منطقہ کو مختلف مسیحی فرقوں اور مشنوں نے اپنی تبلیغی مساعی کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

ہر مسلمان کے لیے خصوصاً ہمارے علمائے کرام کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہونا چاہیئے کہ اپنے شدید باہمی اختلافات کے باوجود کوئی مسیحی فرقہ دوسرے فرقہ کے مخصوص منطقہ میں دخل نہیں دیتا، اگر دوسرے ڈایوسس میں تبلیغی کام کرتا ہے تو اس کے مشن کے تحت رہ کر کام کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔ تفصیلات کے لیے ڈاکٹر نادر رضا صدیقی کی کتاب "پاکستان میں مسیحیت" (مطبوعہ مسلم اکادمی لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۴۴۹ تا ۴۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان میں غیر ملکی مشن | ہمارے سروے کے مطابق مقامی مشنوں کے علاوہ تیئس ۳۳ بیرونی مشن پاکستان میں سرگرمِ عمل ہیں جن کے مرکز اور مرکزی دفتر پاکستان سے باہر ہیں۔ ناموں کو حذف کرتے ہوئے ہم صرف ان کی تعداد بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

برطانوی (۹) امریکن (۸) سوئٹزرلینڈ (۴) جرمن (۴) نیدر لینڈ (۲) بلجیم (۱) اٹلی (۱) سکاٹ لینڈ (۱)

تبلیغ کا اندازِ کار | مسیحی مشنوں کی مساعی (ہمارے جمعہ کے خطبات اور مساجد کے وعظ کی طرح) اپنے گرجوں کے احاطوں تک محدود نہیں بلکہ وہ تبلیغ کے لیے ہر ممکن ذریعہ استعمال کر رہے ہیں۔ مثلاً:۔

بائبل خط وکتابت سکولز | پاکستان کے چاروں صوبوں کے مختلف شہروں میں پندرہ ۱۵ بائبل خط وکتابت سکول قائم ہیں جن کے ذریعہ بائبل کے اسباق اور دوسرا مسیحی لٹریچر کثیر تعداد میں منظم طور پر سائنٹیفک انداز میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

ہمارے علم کے مطابق اُردو انگریزی کے ایک سو سے زائد کورس، دس سے پندرہ اسباق پر مشتمل ہمارے سکول کالجوں، دفتروں اور گھروں کے پتوں پر بھیجے جا رہے ہیں۔

مشن سکول کالج | پیپلز پارٹی کی حکومت نے تمام سکول، کالج قومی تحویل میں لیے، لیکن زیادہ فیس وصول کرنے والے اور انگلش میڈیم سکول مستثنیٰ قرار دے دیئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انگلش میڈیم مشنری سکول عروج پر ہیں۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے گرجوں کے اندر ان کے سکول کُھل گئے ہیں اور مسلمان بصد شوق بلکہ سفارشوں کے ذریعہ اپنے معصوم بچوں کو مشنریوں کی آغوشِ تربیت میں بھیج رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے تعلیمی ادارے | پاکستان میں مندرجہ ذیل دُوسرے مسیحی تعلیمی اور تربیتی ادارے موجود ہیں:۔

پیشہ وارانہ تعلیم کے ادارے	۱۳	دیگر تعلیمی ادارے	۲۴
لڑکوں کے ہوسٹل	۳۲	لڑکیوں کے ہوسٹل	۳۰
یتیم خانے بچوں اور بچیوں کیلئے متعدد کتب خانے	۳۵	مسیحی نشر واشاعت کے ادارے	۱۸
مسیحی جرائد و رسائل	۱۸	سماجی ادارے	۳۶
دوسری انجمنیں، کلب وغیرہ	۵۴		

ہسپتال اور کلینک وغیرہ | پاکستان میں سترہ ۱۷ بڑے مشن ہسپتال موجود ہیں۔ اسی قدر یعنی سترہ ۱۷ دُوسرے صحت کے ادارے قائم ہیں، چھوٹے بڑے کلینک ان کے علاوہ ہیں، یہ تمام ادارے مشنری سرگرمیوں کے مرکز ہیں۔

کیا یہ سب کچھ ہمارے اطباء، ڈاکٹر صاحبان متمول حضرات اور افرادِ ملت کیلئے تازیانۂ عمل نہیں؟

سرکاری مراعات | حکومتِ پاکستان کی طرف سے مسیحی آبادی کو جو فیاضانہ مراعات دی جا رہی ہیں، اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ اکثر و بیشتر مشنری ادارے ٹیکس فری ہیں۔

حد یہ ہے کہ وہ مسیحی ہسپتال جو باقاعدہ مسلمان مریضوں سے بھاری فیسیں اور دواؤں کی قیمت وصول کرتے ہیں انہیں بجلی ارزاں نرخ پر مہیا کی جاتی ہے، اور مسلمان پرائیویٹ سکولوں کالجوں کو اس سے بڑھ کر تجارتی نرخ کے مطابق بجلی مہیا کی جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم اس اخباری اطلاع سے ورطۂ حیرت میں پڑ گئے کہ امسال وزیر خانہ پنجاب نے اپنے دستِ مبارک سے

سالویشن آرمی (مکتی فوج) کو گرانقدر امدادی رقم کا چیک پیش کیا۔

ریڈیو سیشلز | سرحدِ پاکستان کے قریب سیشلز جزیرہ میں ایک نہایت طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر قائم ہے، وہ روزانہ پانچ گھنٹے اردو، انگریزی، پنجابی، پشتو اور فارسی یعنی پاکستان کی پانچ زبانوں میں مسیحیت کی تبلیغ کر رہا ہے، وہ اپنے مقامی دفتر اسلام آباد سے اپنے ریڈیو پروگراموں کا خبرنامہ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرتا ہے ــــ اور ہمارا حال یہ ہے ــ "ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم"

مری مشن کیمپ | گذشتہ کئی برسوں سے ہر سال موسم گرما کے دوران مری میں بائبل سکولوں کے تحت ایک کیمپ قائم ہوتا ہے۔ اس میں مسیحی طلباء کے ساتھ مسلمان نوجوانوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے کہ اپنی بائبل ساتھ لے کر آئیں اور بائبل کے مطابق عملی زندگی دیکھیں۔

مری میں ایک ہفتہ کی رہائش اور خوراک کے لیے برائے نام چند روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ گذشتہ سال لڑکیوں کے لیے بھی کیمپ لگایا گیا ــــــ مری کے علاوہ کوئٹہ میں بھی کیمپ لگانے کا اعلان کیا گیا ہے۔

ایک اسلامی مملکت میں مسلمان بچوں اور بچیوں کے لیے ان انتظامات پر ہم کس کو مبارک باد دیں؟ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو؟ اپنے علماء کرام اور دینی اداروں کو؟ یا مسیحی مشنریوں کو؟

پس چہ باید کرد؟ | بندہ علیٰ وجہ البصیرت کامل حزم و یقین کے ساتھ سمجھتا ہے کہ ان تمام حقائق کے باوصف ہمارے لیے مایوسی کا کوئی مقام نہیں۔ رہبرِ صادق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اُن کا لایا ہوا دین آخری مذہب ہے، اس کا مستقبل یقیناً روشن ہے، یہ صدی اسلام کی صدی ہے، مشرق و مغرب سے اسلام کی تحریکیں اُٹھ رہی ہیں، عالمِ اسلام بیدار ہو رہا ہے، اسلام انشاء اللہ غالب آ کر رہے گا۔ لیکن یہ آسمان سے فرشتے اتر کر نہ کریں گے سب کچھ ہمیں ہی کرنا ہوگا۔

فکر کی بات یہ ہے کہ دعوتِ حق اور غلبۂ اسلام کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ اگر ہم واقعی شہادتِ حق اور تبلیغی کام کے فریضہ سے یکسر غافل ہیں تو ان آیاتِ الٰہی کی وعید سے ڈرنا چاہیئے:ــ

(۱) "اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا تمہاری جگہ اور قوم کھڑی کر دے گا، تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔" (سورۃ التوبہ ۹ : ۳۹)

(۲) "اگر تم منہ پھیرو گے تو تمہاری جگہ کوئی اور قوم بدل دے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہ ہونگے۔" (سورۃ محمد ۴۷ : ۳۸)

حضرات علماء کرام!

سیلِ مسیحیت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔

- باہم متحد و متفق ہو کر مسیحی اجتماعی قوتوں کا مقابلہ کریں، کہ یہ نہ انفرادی مسئلہ ہے نہ کسی خاص فقہی مسلک کی بات ہے۔
- اپنوں کے لیے منبر و محراب کی خدمات کے ساتھ دوسروں کو پیغام حق پہنچانے کے لیے اُن تک پہنچیں کہ وہ خود آپ کے پاس چل کر نہ آئیں گے۔
- محض نعروں اور جذباتی تقاریر سے بات نہ بنے گی، یہ مسئلہ پوری سوچ بچار اور ٹھوس منصوبہ بندی کا متقاضی ہے۔

مدارسِ عربیہ اور جامعات! ملک کے طول و عرض میں عظیم الشان دار العلوم، جامعات اور مدارس دینیہ قائم ہیں۔ ان کے اولوالعزم اربابِ بست و کشاد سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ اپنے اداروں کے نصاب تعلیم میں تقابلِ ادیان بالخصوص مسیحیت وصیہونیت اور تحریکاتِ جدیدہ کا تعارف شامل کریں۔

بہتر تو یہ ہوگا کہ اس مقصد کے لیے مستقل تربیت گاہیں قائم کریں تاکہ ان کے عزیز طلبہ دورِ حاضر کے مسائل سے باخبر اور اقصائے عالم میں اپنے تبلیغی فرائض کی بجا آوری کے لیے تیار ہو سکیں، یہ کام کسی اور کے بس کا نہیں۔

ڈاکٹر اور اطبائے کرام! مشن ہسپتالوں کے معالجین سے اپنے آپ کو بہتر ثابت کریں۔ آپ فنی مہارت میں کسی سے کم نہیں، مشرق و مغرب آپ کی مسیحانفسی کا قائل ہے۔ بس کچھ ایثار، خدمت اور اخلاقِ اسلامی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

اپنے ذاتی ہسپتال اور پرائیویٹ کلینک بخوشی بنائیں لیکن ان کے اندر ملت کے نادار طبقہ کے لیے بھی کچھ گنجائش رکھیں، اپنے فنی اور قیمتی اوقات کا کچھ حصہ ناداروں کو بھی لوجہ اللہ دیں کہ یہ آپ کی روایات کا حصہ ہے۔

صاحبِ ثروت اُمراء! آپ کی دولت و امارت آپ کو مبارک ہو، اللہ آپ کو زیادہ سے زیادہ اکلِ حلال عطا فرمائے ـــ لیکن اس میں اللہ اور اس کے بندوں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ خدمتِ خلق کے ادارے، تعلیمی ادارے، تبلیغی ادارے اگر قرار واقعی مالی اعانت سے محروم رہیں تو یہ فرض ناشناسی کی بات ہے۔

ہمارے تجار، زمیندار اور مل مالکان دوسروں سے سبق حاصل کریں۔ اگر وہ چاہیں تو بآسانی اپنے وسائل سے ہسپتال، سکول اور اسلامی مشن قائم کر سکتے ہیں اور چلا سکتے ہیں۔

افرادِ ملت! اپنے آپ کو بے اختیار کہہ کر ملی فرائض سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ رہبرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

> "تم میں سے ہر کوئی نگران ہے اور تم میں سے ہر کسی سے اس کے زیر اثر لوگوں کے بارہ میں باز پرس ہوگی۔"

حکومت اور ارباب بست وکشاد! حکومت کی ذمہ داریاں سب سے بڑھ کر ہیں، ملک کی سالمیت کے ساتھ اسلام اور اس کی تعلیمات کا فروغ اور روایاتِ اسلامی کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

بجٹ کا ایک موزوں حصہ ان مدات کے لیے مختص ہونا ضروری ہے۔ گمراہ کن نظریات، مخرب اخلاق تحریکات اور غیر اسلامی تہذیب وثقافت کی بیخ کنی آپ کے فرائض کا حصہ۔

ترکی اور بھارت جیسی لادین حکومتوں نے اور سری لنکا جیسی چھوٹی سی ریاست نے اپنے ہاں غیرملکی مشنریوں پر پابندی عائد کر دی ہے ــــــ اس راہ میں آپ کے لیے کیا رکاوٹ ہے؟ آپ کے علم میں ہے کہ باہر سے آنے والے تربیت یافتہ مشنری گرجوں سے وابستہ اداروں ہی میں نہیں، اساتذہ کے روپ میں تعلیمی اداروں کے اندر، اور ڈاکٹروں کے لبادہ میں ہسپتالوں کے اندر اور سوشل ورکر بن کر کیمپوں میں مسیحیت کے تبلیغی اور جاسوسی کے مرکز قائم کرتے ہیں۔

اقتصادی وسیاسی مسائل کے کمیشن اور کھیلوں کے فیڈریشن اور دیگر امور کے مرکزوں کی طرح حکومت کی سرپرستی میں اس مسئلہ کے لیے معلوماتی مرکز اور مستقل سیل قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۸ سے **نکاح کی اہمیت**

ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کے سماجی ومعاشرتی معاملات میں ہنسی مذاق کو جائز قرار دیا جائے تو پھر احکام شریعت ایک کھیل تماشہ بن کر رہ جائیں گے اور خدائی احکام معطل ہو کر رہ جائیں گے اور اس سلسلے میں بعض علماء نے حسب ذیل آیات قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے۔[1]

وَلَا تَتَّخِذُوا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا (بقرہ ۲۳۱) اور تم اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ

[1] ماخوذ از شرح ابوداؤد از خطابی۔ دیکھئے ابوداؤد کتاب الطلاق ۲/ ۶۴۴، مطبوعہ حمص (شام)

۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرف سے
خوشخبری
حضرات گرامی! اس پرفتن دور میں جبکہ ہر طرف کفر و ضلالت کے بادل محیط ہیں۔ غلط نظریات، غلط
عقائد اور نسلِ نو کو تباہ کرنیوالا لٹریچر ہمارے معاشرے کے لئے ناسور بن چکا ہے ــــ
ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد اور ہر گھر کو شر و فتن سے بچانے کی ہر ممکن کوشش
کی جائے۔ جامعہ خیر المدارس کی طرف سے خیر الفتاوی جلد دوم کی اشاعت اسی
سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس میں اسلامی عقائد و اخلاق، نکاح طلاق وراثت، طہارت، نماز، زکوٰۃ،
آداب طعام ولباس، احکام صوم وعیدین، مناسک حج، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل، غمی، شادی،
اسلامی آداب، ایمان، غرض زندگی میں پیش آنیوالے تمام مسائل اور ان کا مل سوال جواب کے نہایت دلنشین انداز
اور سلیس زبان میں ... گیا ہے ــــ
خصوصیات
جید علماء کرام اور مفتیان عظام کی چالیس سالہ علمی تحقیق سے انتخاب
افراط و تفریط میں راہِ اعتدال
جس میں ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے مدلل اور مبرہن
زندگی کے ہر شعبہ اور موڑ کے لئے ایک بہترین کتاب
نوجوانوں، بوڑھوں، مرد و عورت کے لئے یکساں مفید اور ضروری
بچیوں کو جہیز میں دینے کیلئے ایک بہترین تحفہ
۸۰۸ صفحات پر مشتمل عمدہ پرنٹنگ آفسٹ پیپر
خوبصورت ڈائی دار جلد سے مزین
مکتبہ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان
فون نمبرز:
۳۲۷۸۳
۴۴۴۴۰

مولانا مفتی غلام الرحمٰن استاذِ حدیث دارالعلوم حقانیہ

اُونٹ کی طرح سونا چاندی بھی اصل دیت ہے

"الحق" مارچ ۱۹۹۱ء موافق شعبان ۱۴۱۱ھ کے حوالہ سے حضرت مولانا سید تصدق بخاری صاحب زید مجدہم نے "اصل دیت کیا ہے، سو اونٹ یا ۱۲ ہزار درہم" کے عنوان سے دیت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ یہ احقر کے اس مقالہ کا مواخذہ تھا جو دسمبر ۱۹۹۰ء کے "الحق" میں "اسلام کا نظامِ قصاص و دیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

اختلافی نقطہ نظر | موصوف کو احقر کے مقالہ میں جس بات سے قلق ہوا ہے وہ دیت کی تقرری میں دس ہزار دراہم کے تعین کا مسئلہ ہے۔ آپ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دیت کے تعین کا دارومدار اونٹوں پر ہے یعنی اصل دیت سو اونٹ ہیں۔ دراہم، دنانیر یا دوسری چیزوں کا ذاتی طور پر کوئی اعتبار نہیں، جہاں کہیں دیت کے فیصلے ہوئے ہیں اُن میں اونٹ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی (حالانکہ ایسا نہیں) موصوف فرماتے ہیں:۔

> "احادیث کے تتبع سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سونا چاندی وگائے اور بکریوں وغیرہا کی تعداد کے تعین میں خیر القرون میں کمی بیشی اس لیے ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی قیامت تک بوقتِ ضرورت ہوتی رہے گی کیونکہ یہ چیزیں اصل دیت نہیں ہیں، اصل دیت سو اونٹ ہی ہیں اس لیے ان کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوئی" (الحق ص ۱۲)

موصوف کے دلائل کا تجزیہ | موصوف نے گیارہ صفحات پر مشتمل مضمون میں جن روایات کا سہارا لیا ہے یہ کل پانچ ہیں:۔

(۱) پہلی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ موصوف نے یہ روایت تین دفعہ ذکر کی ہے۔ پہلی دفعہ سیرت ابن ہشام کے حوالہ سے الحق ص ۱۳، دوسری دفعہ معالم التنزیل کے حوالہ سے الحق ص ۱۵ پر اور تیسری دفعہ احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص ۲۱ پر ہے۔ اس روایت میں کسی دراہم و دنانیر سے انکار نہیں، صرف یہ آیا ہے کہ قتلِ خطا کا خون بہا سو اونٹ ہے جن میں سے چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں گی۔

(۲) دوسری اہم روایت جس کے بارے میں مقالہ نگار اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس سے ان کا مؤقف صراحۃً ثابت ہے، یہ "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" کی سند کی روایت ہے۔ موصوف نے یہ روایت پہلی دفعہ بحوالہ ابوداؤد (الحق ۱۳) دوسری بار بحوالہ ابن ماجہ (الحق ص ۱۶) تیسری بار بحوالہ ترمذی (الحق ص ۱۸) ذکر کی ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ

قتل خطا کی دیت سو اونٹنیاں ہیں جن میں تیس دوسرے سال والی تیس تیسرے سال والی تیس چوتھے سال والی اور دس اونٹ دوسرے سال والے ہیں ۔ البتہ مؤخر الذکر روایت میں تیس اونٹنیاں چوتھے سال والی تیس اونٹنیاں پانچویں سال والی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ (گابھن) کی ادائیگی وارد ہے ۔ مزید برآں دراہم و دنانیر اور دوسری چیزوں کا اندازسے ادائیگی کا حکم بھی وارد ہے ـــــ ایسا ہی موصوف نے یہ روایت عبداللہ بن عمرو (ابن العاص) کی دوسری سند سے مشکوٰۃ کے حوالے سے الحق ص۲ پر نقل کی ہے جس سے سو اونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے ۔

(۳) تیسری روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو موصوف نے ترمذی کے حوالہ سے الحق ص۱۴ پر نقل کی ہے ، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن ابن عباسؓ عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم انہ جعل الدیۃ اثنی عشر الف درہم ۔	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائے ۔

اس روایت کی رُو سے دیت میں اونٹ کی تقرری کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس سے موصوف کے عندیہ کی تردید ہو رہی ہے کیونکہ موصوف کے نزدیک اصل دیت سو اونٹ ہیں جبکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اعتبار سے قطع نظر بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائے ۔

یہ الگ بات ہے کہ احناف نے بارہ ہزار کی جگہ دس ہزار دراہم کو اعتبار کیوں دیا ؟ اس کی تحقیق کے لیے احناف کے فقہی ذخائر کی طرف مراجع کرنا ہوگا ۔ تاہم درہم کی قیمت میں تفاوت کی وجہ سے بعض روایات سے دس ہزار اور بعض سے بارہ ہزار معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ کہنا روایات سے ناواقفیت کی دلیل ہے کہ یہ تفاوت اونٹ کی قیمت کے اعتبار پر مبنی ہے ۔ دراہم کا اعتبار صرف اس روایت سے نہیں بلکہ متعدد روایات سے ثابت ہے ۔ (کما سیأتی انشاء اللہ) لیکن موصوف کے مؤقف کی تردید کے لیے یہ ایک روایت ہی کافی ہے معلوم نہیں کہ آپ کو یہ روایت نقل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

(۴) چوتھی روایت حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی ہے جو موصوف نے تفسیر مظہری کے حوالہ سے الحق ص۱۶ پر نقل کی ہے ۔ اس روایت کی رُو سے دیت میں اونٹ کے علاوہ گائیں والوں پر دو سو گائیں ، بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں پر دو سو جوڑے کپڑوں کا ثبوت ملتا ہے ۔

(۵) پانچویں روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے جو موصوف نے ابن ماجہ کے حوالہ سے الحق ص۱۹ پر اور ابو داؤد کے حوالہ سے الحق ص۲ پر نقل کی ہے ۔ اس روایت سے بھی اونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے ۔

ان روایات کے علاوہ حضرت طاؤس ؒ کی مرسل روایت احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص۲۱ پر ہے جس سے اونٹ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، طیبیؒ، امام اعظمؒ، ثوریؒ اور حسن بن صالحؒ کی طرف آپ نے منسوب اقوال پیش کیے ہیں۔

اونٹ کی اصالت کے باوجود تمام روایات پر عمل ممکن نہیں

مولانا موصوف کا عندیہ درج ذیل ہے:۔

"در حقیقت اصل دیت سو اونٹ ہی ہیں، اس لیے دیت کے فیصلہ کے وقت سو اونٹ کی جو قیمت ہو وہی اصل دیت ہے۔ دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ بحساب سو اونٹوں کی مروجہ قیمت کے مساوی دی جائیں گی" (الحق ص۱۲)

موصوف کے ارشاد کے مطابق اگر ہم سو اونٹ دیت کے لیے اصل مان لیں تو پھر بھی تمام روایات پر عمل ممکن نہیں کیونکہ اونٹ کے بارے میں بھی دیگر حدیث کے ذخائر کی طرف مراجع سے قطع نظر صرف موصوف نے جو روایات نقل کی ہیں اُن میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک نوع کے اختیار کرنے سے دوسری روایات چھوٹ جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی روایت کی رُو سے جب سو اونٹ دیئے جائیں گے تو ان میں چالیس اونٹنیاں حاملہ (گابھن) ہوں گی، لیکن اس کے مقابلہ میں عمرو بن شعیب بن ربیعہ عن جدہ کی سند سے جو روایت موصوف نے نقل کی ہے اس میں ابوداؤد کی روایت میں سو اونٹ کی جگہ قیمت کی ادائیگی وارد ہے، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں سو اونٹ کی ادائیگی میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ ان میں تیس ایسی اونٹنیاں ہوں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں، تیس ایسی اونٹنیاں جو تیسرے سال میں جا رہی ہوں اور تیس ایسی اونٹنیاں جو چوتھے سال میں لگی ہوں اور دس ایسے ایسے اونٹ جو تیسرے برس میں داخل ہو چکے ہوں۔ گویا اس روایت میں سو اونٹ میں چار قسم کا اعتبار ہے، لیکن ترمذی کی روایت میں سو اونٹ میں تثلیث کا اعتبار ہے کہ تیس اونٹنیاں چار سال والی، تیس اونٹنیاں پانچ سال والی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ (گابھن) ہوں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بحوالہ ابوداؤد سو اونٹ کی تقسیم میں تخمیس کا اعتبار دیا گیا ہے۔ بیس اونٹنیاں چوتھے سال والی، بیس اونٹنیاں پانچویں سال والی، بیس اونٹنیاں دو سال والی، بیس اونٹنیاں تین سال والی اور بیس اونٹ تین سال والے ہوں۔

صرف ان الفاظ کو دیکھ کر کسی ایک نوع کے تعین سے دوسری روایات پر عمل ممکن نہیں، لہٰذا محض اونٹ کی اصالت پر قول کر کے روایات کو قابلِ عمل بنانے کی راہ کامیاب نظر نہیں آتی۔ ایسی صورت میں قتل کی قسموں کا اعتبار کر کے دیتِ مغلظہ اور دیتِ مخففہ کی صورت نکالنی ہوگی۔

دراہم ودنانیر کو دیت کی قیمت کہنا درست نہیں

دیت کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنیٰ میں معاوضہ کی ماہیت چھپی ہوئی ہے، کیونکہ لغوی اعتبار سے دیت مالی معاوضہ کو کہا جاتا ہے ـــ اور از رُوئے شرع اُس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص کرنے کے بدلے میں دیا جاتا ہے[1]

گویا دیت حقیقت میں انسان کی قیمت ہے، کیونکہ انسان کی حقیقت میں حیوانیت بھی ایک جزء ہے۔ اور حیوان جب ہلاک ہوجائے تو یہ مضمون بالقیمت ہوتا ہے۔ قیمت کے تعین کے لیے ایسی چیز کی تقرری ضروری ہے جس میں خود تعین ہو تفاوت نہ ہو، مزید برآں ممکن الوصول ہو۔ کسی حیوان کے عوض میں ایسی چیز کو واجب قرار دینا جو متفاوت ہو، باہمی نزاع اور فتنہ وفساد کے لیے مواقع فراہم کرنے کے مترادف ہے جبکہ ممکن الوصول نہ ہونے کی صورت میں تعجیز کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں۔ اس وجہ سے عقلاً تو اونٹ کا اعتبار ذاتی طور پر دیت میں بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کے باطنی معانی کی وجہ سے ان میں یکسانیت ممکن نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونٹ مل سکیں مثلاً ہمارے ملک میں اگر موصوف کے مشورہ سے اونٹ کو ہی اعتبار دیا جائے تو یہ اسلامی نظام کے نفاذ کو مشکل سے مشکل تر بنانا ہے کیونکہ ملک میں ہر جگہ اونٹ کا ملنا مشکل ہے اور اگر مقتول کے ورثاء کو سو اونٹ دیئے جائیں تو یہ اُس کو اُلٹا مشقت میں ڈالنا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مقتول کے ورثاء اونٹ اپنے پاس رکھ سکیں اور اگر فروخت کریں تو ملکی رواج نہ ہونے کی وجہ سے ایسی حالت میں اس کو کم سے کم قیمت دی جائے گی ـــ لیکن چونکہ حدیث میں سو اونٹ کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا عقلی وجوہات سے قطع نظر تخلیث، تربیع یا تخمیس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کا دینا جائز ہے، پھر بھی اونٹ کی ادائیگی ایسے ملک میں ہونی چاہیے جہاں پر اونٹوں کا رواج ہو تاکہ ان کو (یعنی ورثاء کو) آسانی رہے ـــ اس کے علاوہ دراہم ودنانیر اپنی جگہ بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت کے دیت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ دراہم ودنانیر خلقی طور پر ثمنیت سے متصف ہیں، اس کی مقدار معلوم ہے اور ہر جگہ آسانی سے میسر ہیں، بلکہ دنیا کے ہر کونے میں ان کا اعتبار پایا جاتا ہے کیونکہ دنانیر سونے اور دراہم چاندی کے ہوتے ہیں اور سونا چاندی بین الاقوامی لین دین کا ذریعہ ہے اس لیے دیت میں اس کی تقرری سے کوئی مشکلات پیدا نہیں ہونگی۔

دراہم کو دنانیر کو دیت کی قیمت کہنے میں ایک دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ اگر ہم اصل دیت اونٹ مان کر دراہم و دنانیر اس کا بدل تسلیم کریں تو ایسی حالت میں اونٹ یکمشت نہیں لیے جاتے، یہ قاتل کے ذمہ محض واجب الادا ہوتے ہیں۔ اگر دراہم و دنانیر اس کا بدل ہو اور اس کے عوض میں دیئے جائیں تو دراہم و دنانیر کے بارے میں قاضی تین سال

---

[1] علامہ قطب الدین، مظاہر الحق جدید، دار الاشاعت کراچی (۱۹۸۳ء) جلد ۳ ص ۵۳۳

کی مدت ادائیگی کے لیے مقرر کر سکتا ہے، لہٰذا پھر ایسی حالت میں یہ بھی قاتل کے ذمہ محض واجب الادا رہیں گے۔ تو یہ "دیناً بدین" ــــ "نسیئہ بنسیئہ" کی صورت لازم آئے گی جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے[1]

دیت کے تعین میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

یہاں تک موصوف کے مضمون کا اجمالی جائزہ تھا۔ ابھی ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ دراہم و دنانیر کا تعین راقم الحروف کی کوئی خود ساختہ رائے نہیں بلکہ یہ محققین و مجتہدین کی تحقیقات کی روشنی میں مستقل مکاتبِ فکر کی مستند رائے ہے۔ بدقسمتی سے مولانا صاحب نے اپنے مقالہ میں سو اونٹ کی اصالت ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کی طرف منسوب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ موصوف نے اندازِ بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ شاید اپنی صوابدید پر وہ احادیث سے بالذات مسائل مستنبط کر رہے ہیں۔ آپ نے الحق ص۱۵ پر "عنایہ" کے حوالہ سے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ایسے پیرایہ میں نقل کیا ہے جیسا کہ ان حضرات کے اقوال آپ کی رائے کے لیے محض تائیدی حیثیت رکھتے ہوں، جبکہ بعض جگہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے غلط فائدہ لیا ہے، ایسی توجیہہ کی ہے جو بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے مترادف ہے۔

کاش! اگر موصوف ابتداء ہی سے اپنا مذہبی رشتہ ظاہر کرتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ آپ کس کی ترجمانی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اس لیے دیت کے بارے میں جملہ مذاہب نقل کرنے کے بعد شاید موصوف کے بارے میں یہ واضح ہو کہ وہ کس مسلک سے وابستہ ہیں، تاہم طوالت سے بچنے کی خاطر عربی عبارات کے بجائے با حوالہ اُردو تراجم پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کی رائے

امام شافعیؒ سے دیت کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں۔ پہلے قول (جس کی نسبت آپ کی طرف عراق کے حوالہ سے کی جاتی ہے) کی رُو سے چاندی والوں سے بارہ ہزار دراہم اور سونے والوں سے ایک ہزار دینار لیے جائیں گے جیسا کہ اونٹ والوں سے سو اونٹ لیے جاتے ہیں۔ البتہ مصر میں آپؒ کا قولِ جدید یہ ہے کہ دراہم و دنانیر کے تعین کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اصل دیت سو اونٹ ہے۔ جہاں کہیں دوسری چیزیں مثلاً سونا چاندی لیے جائیں گے تو اس میں اونٹوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا ــــ علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) "امام شافعیؒ کا قول مصر میں یہ ہے کہ سونا اور چاندی والوں سے سو اونٹ کی قیمت کے علاوہ کوئی چیز نہیں لی جائے گی خواہ قیمت کتنی ہی کیوں نہ ہو"[2]

لیکن شوافعؒ کے ہاں مفتیٰ بہ قولِ مصر کا ہے، گویا ابھی شوافعؒ کے ہاں دیت کی اصل سو اونٹ ہے سونا اور

---

[1] شمس الدین السرخسیؒ کتاب المبسوط، المطبعۃ السعادہ مصر جلد ۲۶ ص۷۵

[2] بدایۃ المجتہد فی نہایۃ المقتصد، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور جلد ۲ ص۳۰۷

چاندی یعنی دراہم و دنانیر اگر دیئے جائیں تو اس میں سو اونٹ کی قیمت کا اعتبار ہو گا بذاتِ خود ان کا دیت سے کوئی تعلق، جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے، اس کے سوا دوسری چیزیں دیت نہیں"[1]

امام مالکؒ کی رائے امام مالکؒ کے نزدیک سو اونٹ کے علاوہ دراہم و دنانیر کا بھی دیت میں بطور اصالت اعتبار ہے — ابن رشدؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے والوں پر (دیت) ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار دراہم ہیں"[2]

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے امام احمد بن حنبلؒ سے بھی دو روایات مروی ہیں۔ ایک روایت میں آپ بھی امام شافعیؒ کی طرح صرف اونٹ کی اصالت کے قائل ہیں، اور دوسرے قول میں اونٹ کے علاوہ سونے اور چاندی کے بھی قائل ہیں۔ محدثِ اعظم مُلا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "جان لیں کہ دیت کی اصالت میں علماء کا اختلاف ہے، پس امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کی رُو سے اور ابن المنذرؒ کے نزدیک صرف (سو) اونٹ ہیں لہٰذا ان کی قیمت واجب ہو گی جتنی بھی ہو اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اُونٹ کے علاوہ سونا اور چاندی بھی ہے۔ یہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول اور امام شافعیؒ کی قدیم رائے ہے"[3]

ابن حزم ظاہریؒ کی رائے دیت کے بارے میں سب سے سخت ترین لہجہ ابو محمد علی بن حزم ظاہریؒ کا ہے جن سے دراہم اور دنانیر کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں، جبکہ دوسرے ائمہ سے کسی نہ کسی درجہ میں دراہم اور دنانیر کے بارے میں کچھ نہ کچھ مروی ہے لیکن آپؒ دوٹوک فیصلہ کرکے فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "(قتل) عمد اور خطا کی دیت سو اونٹ ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر ان کی قیمت واجب ہو گی"[4]

---

[1] الام —— دارالمعرفۃ بیروت (۱۹۷۳ء) جلد ۶ ص ۱۰۵ [2] بدایۃ المجتہد فی نہایۃ المقتصد جلد ۲ ص ۳۰۹

[3] مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ امدادیہ مُلتان، جلد ۷ ص ۸۳

[4] ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، مطبع الامام مصر، جلد ۷ ص ۱۴۷

مزید لکھتے ہیں :-

(ترجمہ) "ہماری طرح جن سے اونٹ کے علاوہ دوسرا کوئی قول نقل نہیں یہ ایک عظیم جماعت ہے جن میں زید بن ثابتؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ان تمام کی رائے ہے کہ دیت میں سو اونٹ ہیں"[1]

ان متعدد اقوال پر نظر ڈالتے ہوئے قاری آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ موصوف مسلک کے اعتبار سے کن کے قریب ہیں! اگرچہ آپ نے کسی جگہ اپنے مذہبی رشتہ کے اظہار کی جسارت نہیں کی بلکہ مجتہدانہ اندازِ بیان اختیار کر کے احادیث سے بالذات احکام ثابت کرنے کی کوشش کی۔

دیت کے بارے میں احناف کثرہم اللہ کا موقف

احناف بھی دیگر فقہی مکاتبِ فکر کی طرح دیت میں اونٹ کی اصالت کے قائل ہیں لیکن احناف نے اپنا زاویۂ فکر صرف چند روایات تک محدود نہیں رکھا بلکہ پوری روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اونٹ کے علاوہ سونے (دینار) اور چاندی (دراہم) کے تعین پر بھی قول کیا۔ گویا احناف کے نزدیک سو اونٹ کی طرح ایک ہزار دینار یا دس ہزار دراہم بھی دیت کے لیے اصل ہیں۔ اگر کسی علاقہ میں اونٹ ہوں تو وہاں پر دیت میں اونٹ وصول کیے جائیں گے اور اگر کہیں اونٹ نہ ہوں تو پھر علاقہ کی حالت اور عرف کو دیکھ کر سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار دراہم وصول کیے جائیں گے۔

پاکستان میں اونٹ کا رواج بعض خاص علاقوں تک محدود ہے اس لیے میں نے اپنے مقالہ میں اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کا حساب لگایا تھا، زکوٰۃ اور دوسرے نصابوں میں چاندی کا اعتبار زیادہ کرتے ہیں، اور عام عرف میں بھی دراہم کا حساب آسان تھا اس لیے احقر نے دس ہزار دراہم کا حساب تولہ اور ماشہ میں بحساب ۳ ۱/۵ ماشہ چاندی فی درہم کے حساب سے دو ہزار نو سو تولہ آٹھ ماشہ چاندی کی قیمت کا مشورہ دیا تھا، کیونکہ اس کی قیمت کے تعین میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا، لیکن میں نے اس سے انکار کب کیا ہے کہ دیت میں اونٹ نہ دیئے جائیں؟ اور نہ احقر اس کی جرأت کر سکتا ہے، ہماری کتابوں میں ان تینوں چیزوں کے بارے میں صراحتہً لکھا ہے۔ علی بن ابی بکر المرغینانی فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "قتلِ خطا میں دیت سو اونٹ ہے۔۔۔۔ سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے حساب سے دس ہزار دراہم ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان تین

---

[1] ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، مطبعۃ الامام مصر جلد ۷، ص ۲۷۳

چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے دیت ثابت نہیں۔"[1]

ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مقلد ہونے کی حیثیت سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے مقتدا اور پیشوا سیدنا امام ابوحنیفہؒ نے جو فرمایا ہے وہ کسی نہ کسی حدیث سے لازماً ثابت ہے۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے کوئی بات اپنی طرف سے کہہ کر کسی حدیث کی مخالفت کی ہوگی اور نہ ہم بالذات کسی حدیث یا آیت سے مسائل کے استنباط کی قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مفتیانِ کرام فتوے دیتے وقت کسی حدیث یا آیت کے حوالہ کی جگہ کسی مستند فقہی کتاب کے حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے دراہم و دنانیر کی اصالت کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کر کے فرمایا ہے :۔

(ترجمہ) "علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دراہم و دنانیر دیت میں بطور اصالت معتبر ہیں یا قیمت کے اعتبار سے، تو ہمارے نزدیک (اونٹ کی طرح) یہ دونوں (دراہم و دنانیر بھی) دیت میں اصل ہیں۔"[2]

بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے اہل تلامذہ سیدنا امام ابویوسفؒ اور سیدنا امام محمدؒ کے نزدیک ان تین اخناف کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی رُو سے گائے، بکری اور کپڑوں سے بھی ثابت ہے۔ گویا صاحبینؒ کے نزدیک دیت کے اصول چھے رہے، جس علاقہ میں لوگوں کو اس میں سہولت ہو اُن سے وہی وصول کیا جائے۔ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک صاحبین کی یہ رائے امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت ہے۔ فرماتے ہیں :۔

(ترجمہ) "میرے نزدیک حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس مسئلہ مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول صاحبینؒ کا مذہب ہے۔"[3]

جبکہ عام کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف اوّل الذکر تین انواع کی نسبت ہوتی ہے اور مؤخر الذکر تینوں کا ثبوت صرف صاحبینؒ کی رائے تک محدود ہے۔ پھر اونٹ کی دیت میں بسا اوقات سختی اور شدت بھی پائی جاتی ہے جبکہ دراہم اور دنانیر میں خاص مقدار مقرر ہونے کی وجہ سے سختی کا امکان نہیں۔ اس لیے جہاں کہیں قتل کی نوعیت سخت ہو تو دیتِ مغلظہ ادا کی جائے گی۔ پھر یہ شدت دراہم اور دنانیر میں نہیں پائی جاتی ہے اس لیے اونٹ ہی سے ادا کی جائے گی۔

(ترجمہ) "اونٹ کے علاوہ کسی دوسری نوع میں تغلیظ ثابت نہیں کیونکہ شرع صرف اس میں وارد ہے۔"[4]

---

[1] ہدایہ، ایچ ایم سعید کراچی، جلد ۳ ص ۴۹۹ [2] کتاب المبسوط للسرخسی جلد ۲۶ ص ۷۸ [3] اعلاء السنن شیخ ظفر احمد عثمانیؒ جلد ۱۸ ص ۱۵۳ ادارۃ القرآن کراچی [4] ہدایہ جلد ۴ ص ۴۹۹

لہٰذا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک جب دیتِ مغلظہ کی ادائیگی کی ضرورت پڑے تو اونٹ سے چار قسم ادا کیے جائیں گے۔ جن میں پچیس ۲۵ بنت مخاض (دوسرے سال والے) پچیس ۲۵ بنت لبون (تیسرے سال والے) پچیس ۲۵ حقہ (چوتھے سال والے) اور پچیس ۲۵ جذعہ (پانچویں سال والے) شامل ہیں جبکہ دیت مخففہ دس ہزار دراہم یا ایک ہزار دینار ہے، اور اگر اونٹوں سے ادا کرنا پڑے تو پھر پانچ قسموں سے ادا کی جائے گی جس میں قیمت کے اعتبار سے یقیناً آسانی رہے گی۔

دراھم اور دنانیر کی اصالت احادیث کی رو سے

مقالہ نگار کا یہ تجزیہ بالکل غلط ہے کہ اونٹ کے علاوہ دراہم اور دنانیر کا اعتبار بطور اصالت دیت میں ثابت نہیں۔ یہ روایات کے ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہر وہ روایت جس سے بارہ ہزار یا دس ہزار دراہم اور یا ایک ہزار دینار کا ثبوت ملتا ہو تو وہ آپ کی رائے کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ دراہم میں بارہ ہزار یا دس ہزار کا تفاوت مروجہ سکہ کی قیمت میں کمی و بیشی پر مبنی ہے۔

ذیل میں چند روایات اس کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں:۔

(۱) امام ترمذیؒ نے "جمع بین الباہین" کی عادت اپناتے ہوئے پہلے جب "بَاب مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الْإِبِلِ" کا تذکرہ کیا تو اس سے فارغ ہو کر دوسرا باب "مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ" لایا۔ آپ نے اس میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت دو سندوں سے لائی ہے کہ:۔

عن بن عباس عن النبی صلی اللہ [illegible]	حضرت بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
[illegible] جعل	سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے دیت
الدیۃ اثنی [illegible]	بارہ ہزار دراہم مقرر کی۔ [1]

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام ترمذیؒ کے علاوہ امام ابوداؤد، سنن النسائی اور دارمی نے بھی نقل کی ہے۔ یہی وہ روایت ہے جو حضرت مولانا نے الحق ص۱۴ پر نقل کی ہے۔ بعض روایات میں اضافہ بھی ہے کہ:۔

(۲) ان رجل من بنی عدی قتل فجعل	بنی عدی کا ایک آدمی قتل ہوگیا تو رسول اللہ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار
دیتہ اثنی عشر الفا [2]	دراہم مقرر کی [2]

---

[1] جامع ترمذی، محمد بن عیسٰی الترمذی، ناشر قرآن محل کراچی جلد ۱ ص۲۰۱

[2] مرقاۃ جلد ۷ ص۸۳

(۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے امام ابوحنیفہؒ کی سند سے روایت نقل کرتے ہوئے امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔

اخبرنا ابوحنیفۃؒ عن الھیثم عن عامر الشعبی عن عبیدۃ السلمانی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال علیٰ اھل الورق من الدیۃ عشرۃ آلاف درھم وعلیٰ اھل الذھب الف دینار[1] الحدیث	امام ابوحنیفہؒ متصل سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ چاندی والوں پر دس ہزار درہم اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار ہوں گے۔

یہ روایت عبیدۃ السلمانی سے اس طریقہ پر بھی مروی ہے کہ:۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب نظام زندگی کیلئے رجسٹر تیار ہوئے، تو آپ نے اونٹ والوں پر سو اونٹ، سونے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر دس ہزار دراہم مقرر کیے"[2]

ظاہر بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نظام زندگی کا دستور مرتب فرما رہے تھے تو اس میں بڑے بڑے صحابہؓ شریک تھے، آپ کے اس اقدام پر کسی صحابی کا اعتراض منقول نہیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ نے آپ کی اس رائے کی تصویب کی گویا اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا کہ سو اونٹ کی طرح ہزار دینار اور دس ہزار درہم بھی دیت میں دیئے جا سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہی اجماع صحابہؓ بڑی سند ہے۔

(۳) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:۔

(ترجمہ) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ان کے اموال میں دیت مقرر فرمائی، پس اونٹ والوں پر سو اونٹ، بکریوں پر دو ہزار بکریاں، گائے والوں پر دوسو گائیں اور کپڑوں والوں پر دوسو جوڑے"[3]

اس روایت میں اگرچہ دراہم و دنانیر کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس روایت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کو بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت سے اعتبار دیا۔ جبکہ ہمارے بعض ائمہ سے یہ دوسری چیزیں بھی مروی ہیں۔ اور بقول بعض امام ابوحنیفہؒ سے بھی دراہم و دنانیر کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں روایت آئی ہے۔

---

[1] امام محمدؒ، کتاب الآثار للامام ابی حنیفۃؒ، مکتبہ مجیدیہ ملتان ص۹۶ [2] مبسوط للسرخسی جلد ۲۶ ص۷۵
[3] قاضی ابویوسفؒ، کتاب الخراج، بولاق مصر ۱۳۰۲ھ ص۱۶۷

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقولہ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کے علاوہ دراہم و دنانیر کا بھی اعتبار ہے، آپ فرماتے ہیں :۔

ان النبی علیہ السلام قال من سبح فی کل یوم ولیلۃ مثل دیۃ اثنیٰ عشر الف تسبیحۃ فکانما حرر رقبۃ من ولد اسماعیل [1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہر دن و رات میں اپنی دیت کی طرح بارہ ہزار دفعہ تسبیحات پڑھیں گویا اس نے اسماعیلؑ کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت ابوہریرہؓ رات و دن میں بارہ ہزار تسبیح پڑھتے اور فرماتے کہ میں اپنی دیت کے اندازہ سے تسبیحات پڑھتا ہوں[2]"

جبکہ حضرت عکرمہؓ کے حوالہ سے دس ہزار دراہم کے بارے میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت مروی ہے[3]

(۵) عمرو بن حزم سے بھی ایک روایت ہے کہ :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الدیۃ من الدراھم اثنیٰ عشر الفا[4]

(۶) حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :۔

ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار[5]

(۷) حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی ایک واقعہ پیش آیا تو آپ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر فرمائی[6]

(۸) ایسے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی دس ہزار درہم کی دیت منقول ہے[7]

ان تمام روایات کو مدنظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اونٹ کی طرح دراہم اور دنانیر بھی دیت میں بطور اصالت ثابت ہیں۔ لہٰذا دس ہزار دراہم کے حساب سے چاندی کی مروجہ قیمت بطور دیت ادا کرنا روایات سے ذھول نہیں بلکہ روایات کے مطابق عمل کرنے کی ایک آسان صورت ہے ۔

---

[1] المبسوط للسرخسی جلد ۲۶ ص۷۷ [2] دفاع ابوہریرہؓ ص۳۹ [3] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص۱۵۸ [4] المبسوط للسرخسی جلد ۲۶ ص۷۸ [5] ایضاً ص۸۵ [6] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص۱۵۵ [7] ایضاً ص۱۵۵

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

جناب سہیل نسیم احمد لیکچرر شعبہ عربی اسلامیہ کالج برائے طالبات سوپور

لفظ "ادب" کی تاریخ کا تجزیہ

لفظ "ادب" کی تاریخ "علم" اور "مذہب" کی طرح ارتقائی منازل طے کرتے کرتے ہم تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت سے بہت پہلے کی ادب کی ادبی تاریخ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ لفظ ادب کے قدیم ترین معنی وہی تھے۔ جو لفظ "سنت" کے ہیں یعنی عادت، طرز عمل یا وہ طریقہ جو آدمی وراثت میں پائے جس طرح اسلام میں سنت کے معنی اس طرز عمل کے ہیں۔ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو وراثت میں ملا ہے یہی معنی والرز اور نالینو نے بھی روایت کئے ہیں۔ ان دونوں کے خیال میں لفظ "ادب" لفظ داب کا صیغہ جمع ہے اور داب کے معنی عادت یا طرز عمل ہیں اور یہ کہ "ادب" آداب کی ترقی پذیر شکل ہے۔ بہر حال یہ لفظ "ادب" کے قدیم ترین معنی ہیں۔

اس لفظ کے معنوی ارتقاء کی وجہ سے عملی اور اخلاقی پہلوؤں میں اس کے معنی آسان اور نمایاں تر ہوتے گئے۔ مثال کے طور پر اس کے معنوی دائرے میں یہ چیزیں آتی رہیں "عمدہ صوفیانہ عادات، عمدہ تربیت، اچھے اخلاق وغیرہ"

ظاہر بات ہے اس ارتقاء میں اس تہذیب و تمدن کا بھی اثر تھا جو اسلامی انقلاب اور پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام اور غیر ملکی روحانی اختلاط کا نتیجہ تھا۔ اس اعتبار سے عباسی دور کے اوائل میں لفظ ادب لاطینی لفظ "اوربنیاس" کا ہم معنی تھا۔ اوربنیاس کے معنی تھے شہری زندگی کی عمدگی، عشرت پسندی اور اخلاق اسلامی تہذیب کے پورے وسطی دور کے دوران لفظ ادب کے یہی معنی سمجھے جاتے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلی صدی ہجری زمانے سے ہی مذکورہ معنی کے ساتھ ساتھ یہ لفظ ایک اور معلمانہ اور متعلمانہ معنی پر دلالت کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس معنی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

غیر ملکی تہذیبوں کے ساتھ مل جانے کے بعد اس لفظ کے معنی میں کافی وسعت پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لفظ عربی ادب کے علاوہ ہندی، ایرانی اور رومی آداب پر بھی دلالت کرنے لگا۔ مثال کے طور پر تیسری صدی ہجری کا ادیب ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ نہ صرف عربی شعر و نثر اور ایام و اخبار عرب کا عالم تھا۔ بلکہ وہ غیر اسلامی

اور غیر عربی روایات و علوم میں بھی ماہر تھا۔ اس کا مبلغ علم ایران کے قدح و مدح، قدیم ہندوستانی داستانوں اور یونانی فلسفیوں، اخلاقیات، اقتصادیات اور مذاہب تک پر مشتمل تھا۔ اس لفظ کی ارتقائی تاریخ میں ابن مقفع کا بڑا ہاتھ ہے۔ جنہوں نے غیر ملکی ادبی اور تاریخی سرمایہ کے تحریری مواد کو عربی شکل دے دی۔ انہوں نے اس ضمن میں "ادب الصغیر اور ادب الکبیر" تصنیف کیں۔ یہی ادبی تصانیف عباسی دور کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کا سبب ہیں۔

ایک اور زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اسی زمانے میں اس لفظ نے "عمدگی" کے وسیع معنی سے بھی آزادی حاصل کی۔ اب اس کے معنی میں چنداں فرق دکھائی دینے لگا۔ مثلاً ادب الکاتب اس ادب کو کہا گیا جس کا علم کسی سیکرٹری کے لئے ضروری تھا۔ اسی طرح سے ادب الوزراء اس ادب کا نام پڑ گیا جس کا جاننا وزیروں کے لئے ضروری تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ عمدگی شرافت انسانی اخلاق اور دوسری اس قسم کی چیزیں جو خلافت راشدہ کے زمانے میں اس کے معنی میں شامل تھیں۔ اس سے یک دم منقطع ہوگئیں۔ اور اس کے معنی محدود دائرۂ علم یعنی انشاء پر دلالت کرنے لگے۔ یا ذرا وسعت کے ساتھ کہا جائے تو شاعری ذومعنی الفاظ، حکایات اور دوسری فنی تحریریں اس کے دائرہ معنی میں داخل ہوگئیں۔ قریب قریب دورِ جدید کی نشاۃ ادب تک اس کے معنی اسی طرح کی باتوں پر دلالت کرتے رہے۔

دورِ جدید میں ادب سے مراد ادبیات بھی لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تاریخ الآداب العربیہ سے مراد ہے عربی ادب کی تاریخ اور کلیتہ الاداب سے مراد ہے۔ فن اور ادب کا کالج۔ لیکن طٰہٰ حسین اور ان جیسے عالموں کی نظروں میں "ادب" اب بھی قدیم معنوی وسعت کا حامل ہو سکتا ہے۔

مصطفٰے صادق الرافعی کہتے ہیں:-

"ادبی اعتبار سے یہ لفظ تین ادوار سے گذر چکا ہے اور یہ تینوں ادوار مجموعی زندگی سے متعلق ہیں۔ اور فطری تاریخ کی پیداوار ہیں۔"

بہرکیف اگر فرض کیا جائے کہ لفظ ادب جاہلی دور میں بھی مستعمل تھا تو یہ بات عیاں ہے کہ اس کے معنی وہی تھے جو اوپر مذکور ہیں۔ یعنی اچھے عادات اور اچھے اخلاق وغیرہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس لفظ کے زبانی استعمال میں ایسی تبدیلیاں آتی رہی ہیں جن سے کسی لفظ کے لغوی معنی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ اگر کسی کو ضیافت کے بلایا جاتا تو یوں بھی کہتے "ادب القوم یادبہم ادباً" اور چونکہ ضیافت کی طرف بلانا ایک ایسا فعل ہے جو اپنے اندر عمدہ اخلاق اور نیکی کا جذبہ لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا مطالب کے اعتبار سے یہ بات صحیح ہے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی کہ متذکرہ زمانے میں لفظ "ادب" کا اطلاق ہر اس بات پر ہوتا تھا جو اچھے اخلاق و عادات، شرافت نزاکت اور عمدگی سے متعلق ہوتی۔

دورِ بنی امیہ میں یہ لفظ زیادہ واضح معنی کے ساتھ سمجھا جانے لگا۔ اس دور میں اساتذہ کی ایک خاص جماعت "المؤدبون" کہلائی جانے لگی۔ اس جماعت کا تعلق علم و ادب سے تھا۔ لہٰذا اسی تعلق کی روشنی میں ان کو یہ نام دیا گیا۔ یوں لفظ ادب کے ادبی معنی میں ذرا سی وضاحت اور ہمواری آنے لگی۔ اب ادبی تعلیم کے دائرے میں اخبار و انساب عرب، شاعری اور خطوط نگاری کے فنون آتے تھے۔ اور لفظ ادب فقط انہی چار چیزوں پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس لفظ کی تاریخ کا تیسرا دور ہے۔

"عقد الفرید" کے مصنف نے عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"مذہب سے آپ کی ناواقفیت کا مبلغ آپ کی ناواقفی کے مبلغ سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ادب میں بھی۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے زمانہ میں لفظ ادب قرآنی اور مذہبی واسطوں سے وسیع طور پر متعارف تھا۔ اور مستعمل بھی۔ لیکن ابن عباسؓ کے اس مقولے کے ہوتے ہوئے بھی مورخین اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ مذکورہ زمانے میں لفظ "ادب" معنوی اصطلاح کے ساتھ معرض وجود میں آچکا تھا۔ واضح رہے کہ ان کا سن وفات ۶۸ یا ۶۹ ہجری ہے بعد کے ادبی مورخ تحقیق کئے بغیر ہی مذکورہ مقولے کو نقل کرتے رہے۔ حالاں کہ ان کے نزدیک بھی یہ بات مشکوک ہے۔ دراصل حقیقت یہ ہے اور جاحظ نے بھی "البیان والتبیین" میں یہی لئے ظاہر کی ہے۔ کہ متذکرہ مقولہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کا ہے۔ یہ "محمد" عباسی دور کے خلیفہ اول سفاح کے والد تھے اور ۱۲۵ یا ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔

عمر بن دینار کہتے ہیں۔ "میں نے ابن عباسؓ کی مجلس سے بڑھ کر کوئی اور فلاح کی مجلس نہیں دیکھی۔ اچھے برے سے متعلق معاملات، شاعری، تاریخ اور بہادری پر اس مجلس میں مباحثے ہوا کرتے" یہاں ایک بات قابلِ غور ہے اگر عمر بن دینار لفظ "ادب" سے متعارف ہوتے یا یہ لفظ اگر عرفِ عام میں ہوتا تو ابنِ دینار کو مجلس ابن عباسؓ کے مشتملات کا الگ الگ تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حالاں کہ جن مشتملات کا انہوں نے تذکرہ کیا وہ سب اصطلاح ادب کے معنوی دائرے میں آتے ہیں۔

ایک اور نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں علم العرب کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا تھا جن پر آج کل ادب العرب کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ المسعودی نے مروج الذہب میں ابن عباس سے روایت کر کے نقل کیا ہے۔ کہ جب معاویہ بن سوہان سے موخر الذکر نے اس کی قوم کے بارے میں پوچھا تھا تو ابن عباس نے کہا تھا۔

"اے ابن سوہان تو علم العرب کا بہترین ماہر ہے۔"

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لفظ "ادب" مستعمل نہیں تھا چنانچہ بعد میں علم العرب کی

جگہ ادب العرب نے لے لی۔

دوسری صدی ہجری میں جب کہ ادب کے معنوی حدود کی نشاندہی کی جا چکی تھی ۔ یہ لفظ لوگوں کے ایک خاص گروہ "مؤدبون" کے لئے استعمال کیا گیا ۔ اور مؤدبون کے کام کو حرفۃ الادب کہلایا گیا ۔ پہلا شخص جس نے یہ لفظ استعمال کیا خلیل بن احمد تھا ۔ جو علم القوافی والعروض کے لئے مشہور تھا اور ۱۷۵ھ میں وفات پائی ۔ اور یہی لفظ بعد میں ثعلبی نے اپنی کتاب " المضاف والمنسوب " میں یوں استعمال کیا ۔

" حرفۃ الادب آفۃ الادباء " تیسری صدی ہجری میں جب شاعروں کی باہمی چشمک سیاسی رنگ حاصل کر چکی تھی تو شعراء کو بھی ادباء کا نام دیا جانے لگا ۔ اس طرح لفظ ادب تمام علمی میدانوں میں متعارف ہوگیا ۔ یہی رائے مصطفےٰ صادق الرافعی نے بھی اس لفظ کی تاریخ کے بارے میں ظاہر کی ہے ۔

دورِ جدید کے ایک مورخ اور ناقد ڈاکٹر شوقی ضیف لفظ "ادب" کی تاریخ کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں :- " لفظ ادب کی معنوی تاریخ عرب قومیت کے ارتقاء کے ساتھ مربوط و منسلک ہے اس کے معنی میں عین اسی طرح ترقی ہوئی ہے جس طرح کوئی انسان تمدنی ترقی حاصل کرتا ہے " مختلف ادوار میں اس کے معنی بھی مختلف رہے آج اس لفظ کا اطلاق اس منظوم یا منثور شاہکار پر ہوتا ہے جو سامعین یا قارئین کے وجدان و جذبہ کو بہلائے اور متاثر کرے ۔

مطالعہ کرنے اور غور و خوض کرنے کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس پر دوبارہ مجموعی طور پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا ۔ صرف یہ لفظ ایک جگہ طرفہ بن العبد جو صاحب معلقہ بھی ہیں کی شاعری میں ملتا ہے لیکن وہاں اس کے معنی کھانے کے لئے بلانے (الداعی الی الطعام) کے ہیں ۔

نحن فی المشتاۃ ندعوا الجفلی   لا تری الآدب فینا ینتقر[1]

طرفہ کے اس شعر کے سوا یہ لفظ دورِ جاہلیت کے نظم و نثر میں کہیں اور نہیں ملتا ۔ لیکن بعد میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ اس طرح استعمال کیا ہے ۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی[2]

بعد ازاں ایک مخضرمی شاعر سہم بن حنظلہ الغنوی نے اس لفظ کو یوں استعمال کیا ۔

---

[1] دیوان طرفہ نظم ۵ رقم شعر ۴۶

[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لابن اثیر ، القاہرہ ج ۱ ص ۳ ۔

لا یمنع الناس منی ما اردت و لا اعطیھم ما ارادوا احسن ذا ادبا[1]

اس دور میں اگر اس لفظ کو کہیں استعمال کیا بھی گیا ہو تو مذکورہ بالا معنی میں ہی کیا گیا۔ حالانکہ اس کے لئے بھی کوئی کھلی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں۔ نالینو کے خیال میں اس زمانے میں "داب" کے معنی عمر رسیدہ ہونا۔ گردش روزگار کے ساتھ بدلنا۔ اور آباؤ اجداد کی بہادری تھا۔ اگر "داب" ثلاثی مجرد مانا جائے تو وہ لوگ آداب کو اس کا صیغہ جمع سمجھتے ہوں گے۔ جس طرح بئر کی جمع آبار، اور رای کی جمع آرار ہے۔ اب اگر عربوں کے نزدیک آداب کے معنی اچھے عادات و اخلاق رہے ہیں۔ تو اچھے عادات و اخلاق کی طرف بلانا یعنی دعوۃ الی المحامد و المکارم زیادہ مناسب ہے نہ کہ کھانے کے لئے بلانا[2]

بنی امیہ کے دور میں اس لفظ نے ایک اور علمی معنی پائے تھے یہی وجہ ہے کہ علم کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کی جماعت کو موؤدبون کا نام دیا گیا۔ یہ لوگ اس زمانے کے امیروں اور وزیروں کے بچوں کو عربوں کے تہذیب و تمدن کی ارتقائی تاریخ سکھاتے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو شاعری، فن خطابت اور ایام و انساب عرب کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ سب اس لئے کیا جاتا تھا تاکہ مذکورہ بالا فنون کو علم کے ساتھ شامل کیا جائے چنانچہ اس وقت علم معنوی اعتبار سے مذہب اسلام، فقہ، تفسیر اور قرآنی واقفیت کا نام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی دور میں ابن مقفع نے اپنی دو حکمت سیاسیت اور اخلاقیات پر مشتمل کتابوں کا نام ادب الصغیر اور ادب الکبیر رکھا۔ اسی معنی کی روشنی میں ابو تمام متوفی ۲۳۲ھ نے اپنے دیوان کے تیسرے باب کا نام باب الادب اور امام بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں باب الادب کا عنوان شامل کر لیا۔

ابن معتز متوفی ۲۹۶ھ نے کتاب الادب لکھی۔ اسی زمانے یعنی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں عربی شاعری اور اقوال کو ادب کا نام دیا گیا۔ کچھ مصنفوں نے ان ہی موضوعات پر کتابیں لکھیں اور ان کو کتب ادب کا نام ملا۔ مثلاً جاحظ کی کتاب "البیان والتبیین" جو مشہور اقوال، اشعار، انساب، خطبات اور دیگر نمونہ ہائے علوم پر مشتمل ہے۔ اسی طرح مبرّد متوفی ۲۸۵ھ کی کتاب "الکامل فی اللغۃ والادب" بھی ہے۔ حالاں کہ اس میں "زبان" پر زیادہ بحث کی گئی ہے نہ کہ فصاحت و بلاغت اور تنقید پر جیسا کہ "البیان والتبیین" میں ہے۔ مبرّد نے اگلے زمانہ کے چند نثری نمونے بھی کتاب میں جمع کئے ہیں۔ چنانچہ وہ کتاب کی ابتدا میں لکھتے ہیں:-

"یہ کتاب ہم نے اس لئے لکھی تاکہ نظم و نثر کے چند شاہکار نمونے محفوظ رکھے جا سکیں۔ اور نصائح، چیدہ خطبات اور فصیح و بلیغ رسائل بھی۔"

---

[1] الاصمعیات (طبع دار المعارف)، رقم ۱۲ بیت ۳۰ [2] تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ لکارنالینو طبع دار المعارف ص ۱۴

اسی معنی و فن کی روشنی میں اور کتابیں بھی لکھی گئیں۔ مثلاً ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی عیون الاخبار، ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ کی عقد الفرید الحصری متوفی ۴۵۳ھ کی زہر الادب، ابن قتیبہ کی ہی ادب الکاتب۔ کشاجم متوفی ۳۵۰ کی ادب الندیم اور اس کے علاوہ ادب القاضی اور ادب الوزیر بھی تصنیف کی گئیں۔ اس کے علاوہ ادب الحدیث، ادب الطعام، ادب المعاشرہ، اور ادب السفر بھی اسی دور کی پیداوار ہیں۔

تو جہاں تک اس کے معنوی ارتقاء کا تعلق ہے۔ یہ فرانسیسی لفظ لٹریچر کے ہم معنی ہو گیا جس کا اطلاق اس تحریر پر ہوتا ہے جو زبان کی حدود کے اندر فکر عمیق اور نگاہ حساس کے نتیجے میں قلم بند کی جاتی ہے۔ احمد الشائب نے لفظ ادب کی تاریخ کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ دورِ جاہلیت میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنے میں ذرا تامل ہے۔ کیونکہ دورِ جاہلیت کی تمام تحریریں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ اور اس سے پہلے ہی ضائع ہو چکی ہیں۔ سماجی، سیاسی اور مذہبی انقلابات کے طویل سلسلے کے بعد ہم تک جو اس زمانے کا علمی سرمایہ پہنچ سکا ہے۔ وہ تحریری ہونے کے بجائے زبانی ہے۔ اور ساتھ ساتھ دورِ جاہلیت کی ادبیات کی صحت میں شک کی گنجائش بھی موجود ہے۔ اور ایسا کیا بھی گیا ہے طٰہٰ حسین کی کتاب فی الادب الجاہلی اسی تنقیدی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا حالانکہ قرآن مجید کی زبان سب سے فصیح و بلیغ ہے۔ اور خالصۃً قریشی بول چال کی عکاسی کرتی ہے لیکن اس بنیاد پر کہ لفظ ادب قرآن مجید میں نہیں ہے۔ ہم دورِ جاہلیت میں اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن عہد کے الفاظ بجائے خود تمام قریشی بول چال کے ذخیرے کا احاطہ نہیں کرتے لہٰذا ممکن ہے کہ قرآن مجید میں موجود نہ ہونے کے باوجود یہ لفظ قریشی یا غیر قریشی بول چال میں مستعمل رہا ہو کیونکہ قرآن مجید صرف چھ ہزار عربی الفاظ کی تکرار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں مندرجہ ذیل لفظ موجود ہے۔

"ادّبنی ربی فاحسن تادیبی"

لفظ ادب کی تاریخ کے بارے میں جدید ناقدین کی رائے جاننے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا یہ لفظ عربی الاصل ہے بھی کہ نہیں۔ تو اس کے عربی الاصل ہونے کے حق میں ہمارے دو ثبوت موجود ہیں۔

ایک یہ کہ اس کے تینوں حروف یعنی ا، د، اور ب عربی زبان میں ابتداء سے موجود تھے۔ مثلاً بدا، دا، اب اور ابداء۔ اور یہ تینوں الفاظ لفظ ادب سے قریبی علاقہ رکھتے ہیں۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ لفظ عربی اور دوسری سامی زبانوں میں سومیری زبان کے ہاں سے داخل ہوا ہے۔ سومیری میں اس کے معنی انسان ہیں۔ اور ممکن ہے کہ عربی میں آ کر انسان یعنی آدم نے ادب کی شکل اختیار کی ہو۔ دوم یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے

اس لفظ کو مختلف معانی میں سہی لیکن استعمال ضرور کیا ہے۔ یہ مشہور حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے مثلاً حضرت علی رضؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اے اللہ کے رسول! ہمارے آباؤ اجداد ایک ہی تو ہیں۔ مگر آپ جو تقریریں مختلف قبیلوں میں فرماتے ہیں وہ ہم نہیں سمجھ پاتے۔"

اس کا جواب آپؐ نے ان الفاظ میں دیا۔ "ادبنی ربی فاحسن تادیبی ورببت فی بنی سعد" اس حدیث میں ادب سے مراد تعلیم ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے آپؐ کی ایک اور حدیث مروی ہے۔

ان ھذا القرآن مادبۃ اللہ فی الارض فتعلموا من مادبتہ

یہاں مادبۃ سے "خزانہ" ذریعہ اور منبع مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن ان تمام دروس کا منبع ہے جو انسان کو اچھے اخلاق و عادات سکھاتا ہے۔ اور قرآن انہی چیزوں کی طرف دعوت ہے۔

اس طرح ہمارے پاس بیشتر ثبوت اس بات کے حق میں ہیں کہ لفظ "ادب" دورِ جاہلیت میں اور اسلام آنے کے بعد مستعمل تھا لیکن اس کے مجموعی معنی اچھے اخلاق اور عمدہ عادات کے سوا کچھ نہ تھا۔

ایک اور ثبوت نعمان بن منذر کا وہ خط ہے جو اس نے کسریٰ کے نام لکھا تھا۔ اور نعمان یوں رقم طراز ہیں۔

"وقد اوفدت ایھا الملک رھطاً من العرب لھم فضل فی احسابھم وانسابھم وعقولھم وادابھم"

یہ جملہ بھی ہماری بحث میں کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

دورِ بنی امیہ کی طرف دوبارہ نظر کی جائے تو زیاد بن ابیہ بحیثیت امیر اپنی پہلی تقریر میں کہتے ہیں۔

"فادعوا اللہ باصلاح لائمتکم فانھم ساستکم المودبون لکم"

یہاں زیرِ نظر لفظ سے مراد تہذیب ہے جو اچھے اخلاق و عادت سے قریبی علاقہ رکھتا ہے اسی طرح عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے کے مودّب سے کہا:۔

"اس کو شعر سکھاؤ تا کہ کامیاب اور عظیم بن جائے۔"

یہاں لفظ تادیب سے مراد تہذیب و تمدن ہے چنانچہ یہ بات نمایاں ہے کہ مودبون شاعری، انساب، ایام عرب، محاورے، بول چال، بزرگی، اخلاقیات، خوارق عادات، بہادری وغیرہ سکھاتے تھے۔ اور ان کو ادیب کہا جاتا تھا۔ لہٰذا ان تمام مذکرہ چیزوں کا نام ادب تھا۔ ان میں سے میدانِ شعر کے ماہر کو شاعر اور میدانِ نثر کے ماہر کو کاتب کہا جاتا تھا۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

جناب ابو ارقم انصاری، کراچی

مسئلہ اہلبیت

قرآن وسنّت کے متّبعین کیلئے لمحۂ فکریہ

ابھی حال ہی میں قرآن وسنّت کے دو علمبردار اہل سنت حضرات (جناب رضوان علی ندوی اور جناب شاہ بلیغ الدین) نے قرآن مجید کی نہایت واضح اصطلاح "اہل البیت" کو اپنے مختلف اختلافات کا نشانہ بنایا۔ جو نہایت تکلیف دہ اور افسوسناک ہے۔ ان دونوں حضرات نے ان اختلافات پر ہفت روزہ "تکبیر" میں درجنوں صفحات پر خامہ فرسائی فرمائی۔ یہاں تک کہ "اہل البیت" کے علاوہ دیگر مسائل اور معاملات پر بھی تنازعات کھڑے کر دیئے۔ یہ کام تو دراصل قرآن وسنت کے منحرفین یعنی منافقین کیا کرتے ہیں تا کہ اسلام کی اساس (قرآن وسنت) کو مختلف فیہ بنا دیا جائے۔ منافقین کی اولین سازش کا سرغنہ ایک یہودی ابن سبا تھا۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قرآن وسنت کے خلاف یہودی سازش کی ابتدا کی۔ قرآن مجید کے مطابق یہودیوں نے کوئی بھی پچھلا آسمانی صحیفہ ایسا نہ چھوڑا تھا جس میں تحریف نہ کی ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے ساتھ اپنا یہ اعلان فرما دیا کہ وہ اپنی اس آخری کتاب قرآن کریم کی خود ہی تا قیامت حفاظت بھی فرمائے گا (سورۃ الحجر آیت ۹)

جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ ان کے لئے متن قرآن میں تحریف کا دروازہ بند ہو گیا ہے تو انہوں نے اپنی پرانی سازش کی حکمت عملی کو تبدیل کر کے اس آخری کتاب اللہ کے معنی، مطلب اور مفہوم کو ہدف بنایا۔ اور مختلف گھپلے کرنے شروع کر دیئے۔ اسی کی ایک مثال قرآنی اصطلاح "اہل البیت" کے بارے میں ان کی شاطرانہ کارستانی ہے۔ "اہل البیت" کے معنی اور مفہوم نہایت واضح ہونے کے باوجود بھی یہودی سرغنہ ابن سبا (منافق) اور اس کے ہم مذہب گروہ نے اسلام کے لبادے میں اس کو بحث ومباحثہ کا موضوع بنایا۔ اور اس کے وہ نادر مفہوم پیدا کئے جو قرآنی اصطلاح کے بیّن معنی سے قطعی مطابقت نہ رکھتے تھے ایسی تمام یہودی سازشوں کا ادراک قرونِ اولیٰ کے اہل اسلام کو تو ہو چکا تھا اور وہ ان پھندوں میں نہ پھنسے تھے مگر تاریخ میں یہ بات ضرور در آئی کہ چند قرآنی الفاظ اور اصطلاحات کے معنی بھی نعوذ باللہ اختلافی ونزاعی رہے ہیں۔

مختصراً یہ کہ مذکورہ یہودی سازشوں کا تسلسل اس منافق ابن سبا سے شروع ہو کر آج تک چلا آرہا ہے کہ جس کا تعلق ہر گز قرآن و سنت کے متبعین (اہل سنت) سے نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ اس تاریخی حقیقت کے باوجود بھی دو حضراتؒ (جناب رضوان علی ندوی اور جناب شاہ بلیغ الدین) مسئلہ اہل البیت میں آپس ہی میں الجھ پڑے۔ اور متعدد دیگر معاملات بھی بلا وجہ نقارہ بنا دئے۔ ان کی اس مشقِ سخن سے آج کل تمام آلِ یہود منافقین بہت خوش ہو رہے ہیں۔ کہ اب مشنِ نفاق کو خود اہلِ اسلام (اہل سنت) ہی انجام دے رہے ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ملاحظہ فرمایئے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کے "اہل البیت" کا اعزاز کن کے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔

سورہ الاحزاب کی آیات ۳۰ تا ۳۴ میں اللہ نے براہِ راست خطاب آں حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا ہے۔ اور اسی بلا واسطہ خطاب کی آیت ۳۳ میں ان کو "اہل البیت" صاف طور پر قرار دیا ہے فرمایا کہ:-

"اے نبیؐ کی بیویو! اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم اہل البیت سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے" (احزاب ۳۳)

اس سے پہلے سورہ ہود کی آیت ۷۳ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ازواج کو ہی اہل البیت فرمایا ہے۔ اس طرح پورے قرآن مجید میں صرف ان دو مقامات پر "اہل البیت" کی خصوصی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ البتہ ایک تیسری جگہ پر محض اہل بیت کا ذکر ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰ پیدا ہوتے اور شیرِ مادر اور پرورشِ مادر کے محتاج تھے۔ تو اس حالتِ طفولیت میں ان کی والدہ محترمہ کو ان کی عمومی اہل بیت سے تشبیہ دی گئی (سورہ القصص آیت ۱۲) مگر اس آیت میں وہ خصوصی اصطلاح "اہل البیت" استعمال نہیں کی گئی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ کہ خصوصی اصطلاح تو پورے قرآن پاک میں صرف دو مقامات پر موجود ہے۔ اور دونوں جگہ وہ صرف ازواج النبی کے لئے مختص ہے۔ لہٰذا فرمانِ الٰہی سے یہ نکتہ عیاں اور آشکارا ہو جاتا ہے۔ کہ حضور اکرمؐ کے اہل البیت ہونے کا شرف صرف آپ کی ازواج مطہراتؓ (امہات المومنینؓ) کو حاصل ہے اور یوں سورۂ احزاب کی پیش کردہ آیت ۳۳ نصِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی اس صاف اور صریح آیت سے امہات المومنینؓ کے سوا کسی اور کو اہل البیت مراد لینے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اب اگر متقدمین میں سے کسی محترم مفسر یا محدث سے یہ بات کہیں منسوب ملتی ہے کہ اہل البیت میں

الحق

نبی کریمؐ کے نسبی و صلبی رشتہ دار بھی شامل ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین آلِ یہود نے ابتداء ہی اصل منقولہ باتوں میں تحریف کرنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ خود اللہ نے قرآن کو فرقان بھی کہا ہے۔ یعنی حق اور ناحق میں فرق کرنے والا۔ اس لئے نقل کردہ کسی بھی قول کو رد و قبول کی صرف اسی کسوٹی پر ہی پرکھنا چاہئے تاریخ گواہ ہے کہ ابن سبا منافق کا آلِ یہود گروہ ہمیشہ سے غلط باتیں اکابرین اسلام کی جانب منسوب کرنے کی شیطانی مہارت کے لئے مشہور و معروف رہا ہے۔ اگر قرآن و سنت کے پاسداروں اور پاسبانوں (اہل سنت) کی کڑی نظر منافقین کی تحریفات کے پس پردہ اصل سازش پر رہے تو کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ عیار آلِ یہود کی اصل سازش یہی تو تھی کہ دینِ اسلام اور اہلِ اسلام میں انتشار اور افتراق پیدا کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اہل البیت کے معنی خاندانِ نبی کے نکالے۔ پھر افرادِ خاندان کو دیگر اصحاب النبیؐ سے ایک الگ طبقہ ظاہر کیا۔ اور پھر اس نام نہاد اور خود ساختہ طبقے کو صحابہ کرامؓ پر افضل ٹھہرایا۔ اس طرح اصحاب النبیؐ کو دو گروہوں میں بانٹ کر خلفائے ثلاثہ کے خلاف مہم چلائی۔ تاکہ ملت متحدہ میں دراڑیں پڑ جائیں۔

جہاں تک مسئلہ فضیلت و افضلیت کا تعلق ہے تو وہ صرف خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل تھی کہ جن کے متعلق افضل البشر بعد الانبیاء کہا گیا ہے۔ اور جن کو خود آنحضورؐ نے اپنی زندگی میں ہی امامت مسجد نبوی سپرد کر کے اپنا جانشین اور امام امت مقرر فرما دیا تھا۔ صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے بعد جو دوسرے افضل اصحاب الرسول تھے وہ بقیہ عشرہ مبشرہ کے افراد تھے۔ نہ کہ من گھڑت اہل البیت۔

مذکورہ بالا معروضات کے بعد اب آخر میں مسئلہ کا ایک اور قابل توجہ پہلو پیش خدمت ہے ابن سبا کے آل یہود ٹولے نے نہ صرف یہ کہ قرآنی اصطلاح اہل البیت کی تعریف میں گھپلا کیا۔ انہیں ایک الگ طبقہ ٹھہرایا۔ اور ان کو دوسرے طبقہ صحابہ کرام سے افضل ظاہر کیا۔ بلکہ رفتہ رفتہ تمام اصحاب الرسول (بشمول اہل البیت) پر تبرا بھی کیا۔ آغاز کیا خلفائے ثلاثہ کو نشانہ بنا کر اور پھر چوتھے خلیفہ اور بعد والوں کو بھی زد میں لے آئے۔ غرضیکہ ان منافقین نے اپنے خود ساختہ دونوں طبقاتِ اسلام میں سے کبھی ایک پر تبرا کیا اور سبائی کہلائے۔ کبھی دوسرے پر کیا اور ناصبی کہلائے اور کبھی دونوں پر کیا اور خارجی کہلائے ان سب کا مقصد ایک تھا اور وہ یہ کہ بالآخر تمام کے تمام اصحاب النبیؐ پر سے ملت اسلامیہ کی آنے والی نسلوں کا اعتماد اٹھ جائے۔ تاکہ اصحاب النبیؐ کا پہنچایا ہوا دین اسلام بھی مشکوک و مشتبہ اور ناقابل اعتبار بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم النبیین و خاتم المعصومین نے اپنی امت سے پیشگی فرما دیا تھا کہ

(باقی صفحہ پر)

بروقت۔ محفوظ۔ باکفایت

پی۔ این۔ ایس۔ سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی
مدیر ماہنامہ "الاسلام" (برطانیہ)

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

گذشتہ کل ۲۱ مئی ۱۹۹۱ء کے دن برطانوی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم مسٹر جان میجر نے اعلان کیا کہ "آج کی رات کے بارہ ۱۲ بجے کے بعد سے امریکی اور جاپانی کتے جو خطرناک اور لڑنے والے کتے (FIGHTING DOGS) ہوتے ہیں اُن کی اس ملک میں درآمد پر مکمل پابندی لگائی جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ملک بھر میں تقریباً دس ہزار ایسے کتے جو موجود ہیں وہ بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے" ــــ واضح رہے کہ ملک بھر میں جو لوگ کتے پالتے ہیں اُن کی تعداد ۸۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اس بارے میں چند باتوں کی طرف روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہمیں عبرت حاصل ہو۔

(۱) یہاں نصرانی اولاد ۱۶ سال کی عمر میں جب سکول سے فارغ ہوتی ہے تو نہ ماں کی ہوتی ہے نہ باپ کی، بلکہ ۱۶ سال تک پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو جاتی ہے۔ اُن کے حالات کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہاں کسی انسان کی عزت محفوظ نہیں، ہر طرح کے جرائم یہاں ہوتے ہیں، عورتوں کا حال جانوروں سے بدتر ہے، شاید ہی کوئی عورت ایسی ہو گی جو شادی سے پہلے پاکدامن ہو۔ وہ قوم جو اپنے آپ کو مہذب قوم (CIVILISED PEOPLE) کہلاتی ہے ہر وہ کام کرتی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر کتے اور خنزیر جیسے ناپاک جانور کو بھی تھوڑا بہت شعور ہوتا تو وہ بھی اِن کی زندگی سے نفرت کرتا اور کوسوں دور بھاگتا ــــ زنا بالرضا تو عام ہو چکا ہے اس کا کیا ذکر کیا جائے؟ بیشمار ایسی عورتیں ہیں جو بے بیاہی ماں بن چکی ہیں۔ آج کی خبر کے مطابق ایک بارہ سالہ لڑکی باحمل ہو چکی ہے اور عدالت نے والدہ کی مرضی کے خلاف حمل ساقط کر دینے کا حکم جاری کر دیا ہے ــــ اب جبکہ اولاد فرار ہو جاتی ہے، گھر پر کوئی رہتا نہیں، گھر میں میاں بیوی میں دن رات جھگڑے ہوتے ہیں، تقریباً ۷۰ فیصد طلاقیں واقع ہوتی ہیں، اس لیے یہاں کی قوم گھروں میں کتے پالتی ہے اور ان سے دل بہلاتی ہے۔ بعض تو کتوں سے اس قدر پیار کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے وصیت کر جاتے ہیں کہ ان کی دولت کا اکثر حصہ کتے کو پالنے اور راحت پہنچانے پر صَرف کیا جائے۔

(۲) اس پابندی پر زور شور سے بحثیں ہو رہی ہیں خصوصاً دس ہزار خطرناک کتوں کو پالنے والوں پر یہ قانون سے

بہت ہی شاق گذرا اور وہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ جلوس نکالا جائے تاکہ یہ پابندی اٹھالی جائے۔ بحث کرنے والوں میں سے ایک شخص کے پاس اس قسم کا ایک خطرناک کتا ہے، جب اُس سے پوچھا گیا کہ "اس قانون کے نافذ ہو جانے کے بعد آیا تم اپنے کتے کو سرکار کے حوالے کر دو گے تاکہ اسے ضائع کر دیا جائے یا یہ کہ تم اسے ملک سے باہر لے جاؤ گے یا بھیجدو گے"؟ اُس شخص نے جو جواب دیا وہ قابلِ عبرت ہے، اُس نے کہا۔

"نہ میں اپنے پیارے کتے کو سرکار کے حوالے کروں گا تاکہ وہ ضائع کر دیا جائے اور نہ میں اسے ملک سے باہر بھیجوں گا بلکہ میں اس کتے سمیت ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا"

مجھے اس شخص کے جواب سے نہایت عبرت حاصل ہوئی۔ اس شخص کو اپنا کتا اتنا پیارا ہے کہ وہ اُس کی خاطر اِس ملک کی تمامتر راحت وآرام اور عیش وعشرت کو قربان کرنے کے لیے تیار اور راضی ہے، حالانکہ اگر وہ چاہے تو غیر خطرناک کتا بھی رکھ اور پال سکتا ہے جس پر کوئی پابندی عائد نہیں۔

حال ہی میں اخبارات میں یہ خبر شہ سُرخی کے ساتھ چھپی ہے کہ "میکسیکو میں غربت واستحصال زدہ اور بھوک کی ستائی ہوئی اور بیمار لاکھوں عورتیں آج بھی قرونِ وسطیٰ کے غلاموں جیسی کربناک زندگی گذار رہی ہیں، صبح سویرے جب سورج کی نرم سنہری کرنیں پھولوں سے ہم آغوش ہوتی ہیں، پھٹے ہوئے غلیظ بستروں سے اُٹھ کر ٹوٹتے ہوئے جسموں اور نیند سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ یہ بدنصیب عورتیں اُمراء کے گھروں میں صفائی، خدمت اور برتن مانجھنے کے لیے روانہ ہوتی ہیں، ان کے کام کا دورانیہ روزانہ ۱۲ تا ۱۶ گھنٹے ہوتا ہے" ان میں سے ایک لڑکی نے بتایا کہ "یہاں امراء کے گھر کے کُتّے ان سے اچھا کھانا کھاتے ہیں، کتا جب بیمار پڑ جائے تو اس کی زیادہ شفقت سے تیمارداری کی جاتی ہے اور اسے فوراً طبی امداد مہیا کی جاتی ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں انسانی اقدار اور حوا کی بیٹیوں کو بھوکوں مارا جا رہا ہے"

یہ ہے تہذیبِ مغرب کا طرۂ امتیاز ؎

دیکھتے ہیں کہ رہا ہے کس کی جھولی میں فرنگ ‏ ‏ خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح

بقیہ ص۵ سے: مسئلہ اہل بیت

"خبردار، میرے صحابہ کو کبھی بھی بُرا مت کہنا" (بخاری ومسلم)

رسولِ اکرمؐ کی اس کھلی تنبیہ کے باوجود قرآن وسنّت کے حامل (اہل سنت) کے کچھ حضرات آلِ یہودیت کی پیداوار یعنی سبائیت، ناصبیت اور خارجیت کی تبرّا بازیوں کو آجکل سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ اور غیر شعوری طور پر ان میں سے کسی نہ کسی میں ملوّث ہو جاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال بڑی خطرناک ہے۔ اور تمام اہلسنت کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ کاش! کہ تمام اہل سنت یک جان ہو کر آلِ یہود کی سازشوں کا پردہ چاک کر دیں۔

ادبیات

حافظ محمد ابراہیم فانی

اے خطّۂ کشمیر

وادیٔ کشمیر میں نہتے مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں پر بھارتی افواج کی بربریت اور اقوامِ عالم کی مجرمانہ خاموشی کے تناظر میں یہ نظم موزوں ہوئی۔ (فانی)

تُو عکسِ دلآویزی و تُو حُسن کی تصویر ——— اے خطّۂ کشمیر
اللہ نے بخشی ہے تجھے عزّت و توقیر ——— اے خطّۂ کشمیر

تُو خطّۂ شاداب ہے فردوسِ بریں کا ——— مہتابِ مُبیں کا
تُو ذرّۂ زرخیز اسی پاک زمیں کا ——— اس ملکِ حسیں کا
تُو نعرۂ توحید ہے اربابِ یقیں کا ——— تُو فخر ہے دیں کا
مردانِ شجاعت کے لیے نعرۂ تکبیر ——— اے خطّۂ کشمیر

عُشّاقِ وطن کے لیے تُو ماہ جبیں ہے ——— محبوب حسیں ہے
تُو رشکِ قمر باعثِ صد ناز زمیں ہے ——— یہ مجھ کو یقیں ہے
تجھ سا نگارِ عشق میں کوئی نہ کہیں ہے ——— ممکن ہی نہیں ہے
ایمان کی ضیا ہے تری نازشِ تنویر ——— اے خطّۂ کشمیر

دشمن تمہارے حُسن مٹانے پہ تُلا ہُوا ہے ——— اُف وقت فنا ہے
ہر ذرّہ ترا آگ کے شعلوں میں گھرا ہے ——— اِک حشر بپا ہے
ماتھے پہ ترے سُرخیٔ خونِ شہدا ہے ——— مظلوم فضا ہے
وابستہ مسلماں کی ترے ساتھ ہے تقدیر ——— اے خطّۂ کشمیر

لُٹتی ہے یہاں عصمت و تقدیسِ حرم آج ——— ہے رب کی قسم آج
کہتے ہیں نہتے ہمیں، دیکھو یہ ستم آج ——— مجبور ہیں ہم آج
رکھ لے مرے اسلام کا ایماں کا بھرم آج ——— والائے کرم آج
حیران ہوں مَیں حالتِ مُسلم پہ ہوں دلگیر ——— اے خطّۂ کشمیر

ہاں سر ترے دشمن کا قلم ہو کے رہے گا ——— خم ہو کے رہے گا
طوفانِ ستم خیز بھی کم ہو کے رہے گا ——— تھم ہو کے رہے گا
اس ملک میں تو، رب کا کرم ہو کے رہے گا ——— ضم ہو کے رہے گا
ہو فانیٔ عاجز کی دعا میں یہی تاثیر ——— اے خطّۂ کشمیر

مولانا محمد عبد المعبود صاحب

تعارف و تبصرہ کتب

تنقیح الکلام (جلد دوم) | تالیف: شیخ الحدیث مولانا عبد القدیرؒ ــــ صفحات ۴۴۰ ــــ طباعت عمدہ، جلد سنہری ــــ قیمت: ۹۰/- روپے ــــ ناشر: کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ یہ مسئلہ قرونِ اولیٰ سے مختلف چلا آرہا ہے۔ علماء احناف قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق مقتدی کے قرأت نہ کرنے کے قائل ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں مولانا ممدوح نے زورِ استدلال، منصفانہ تنقید اور عادلانہ مدافعت سے زیرِ بحث مسئلہ کے تحقیقی اور الزامی دونوں پہلوؤں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حق ادا کر دیا ہے، موصوف نے فریقِ مخالف کے دلائل کا علمی تجزیہ کر کے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے کہ مقتدی کا وظیفہ ترک القرأۃ ہی ہے اور کوئی صحیح صریح حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس سے مقتدی کے لیے قرأۃ کا حکم ثابت ہو۔

مؤلف علام نے فریقِ مخالف کی روایات نقل کر کے ائمۂ جرح و تعدیل اور جمہور محدثینِ کرام کے مسلّمہ اور طے شدہ اصول و ضوابط کے مطابق متانت، سنجیدگی، تہذیب و شائستگی کے ساتھ محدثانہ طریق سے بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ ان میں ضعیف، مجروح اور متکلم فیہ راوی ہیں جن کے بل بوتے پر غیر مقلد حضرات لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دیتے ہیں اور سورۃ فاتحہ پڑھنا مقتدی کا فرض گردانتے ہیں، ان کی روایات قابلِ استناد ہی نہیں۔

فاضل مؤلف نے اپنے ہر دعویٰ کو دلائل سے مُدلّل کیا اور اپنے استدلال میں پیش کردہ احادیث و آثار کی اسانید نقل کر کے جملہ راویوں کی کتب اسماء الرجال سے توثیق پیش کی ہے، پھر دونوں فریق کے راویوں کا موازنہ کر کے بتایا ہے کہ حنفیہ کے راوی ثقاہت اور علمی شان کے اعتبار سے اعلیٰ اور اقویٰ ہیں۔ جبکہ دوسرے حضرات کی مایہ ناز کتابوں خیر الکلام اور توضیح الکلام پر بھی محققانہ اور عادلانہ تنقید کر کے اصل حقائق کو واضح کر دیا ہے۔

کتاب منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ علماء کرام، طلباء اور ہر پڑھے لکھے آدمی کے لیے بیش بہا علمی تحفہ اور قابلِ صد تبریک ہدیہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے مفیدِ عام اور نافع تام بنائے اور مؤلف مرحوم و مغفور کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ (آمین)